

آپ کے محبووب اور هر کوہ دستیں نصیف
ابن صفت کی
مقبول عکام تحریر
جو کسی بھو مسرت میں سکتے
ابن صفت
کا ایک نکشہ ناول



اُس نئم کی بدبو کا نام و ننان تک نہیں تھا، جس سے گز کروہ
صحن میں پہنچتے تھے۔

مکرے کے وسط میں چمک دار سطح والی ایک بڑی سی
میز بھی ہوئی تھی، لیکن اُس پر جیز نظر آئی، اُس نے اُس کے
قدم روک دیے، یہ کسی آدمی کی کھوپڑی کی ہدی تھی شفاف
اور چمک دار دانوں کی سفید سفید فطراریں بڑی بھیاں۔ ...
لگ رہی تھیں۔

چوڑے شلنے والا پن ساتھیوں سے کچھ آگ بڑھ آیا
تھا۔ اُس نے ایک بار پھر ان کی طرف مُڑکر دیکھا تینوں کے چھے
دھواؤں ہو رہے تھے، انہوں نے بیک وقت پنے ہٹنوں
پر زبانیں پھیریں۔

وہ چند لمحے اُن کی طرف دیکھتا رہا، لیکن کسی کی زبان سے
ایک لفڑا بھی نہ نکلا۔ یہ ایک دراز قدار مغمونہ جسم کا آدمی تھا
شنلنے نیاں اور پر چوڑے تھے اور بال ہٹلکے سے استائل
میں پیشانی میں جھوٹتے رہتے تھے۔

وہ بڑی توہہ اور دلچسپی سے اُس کھوپڑی کی طرف
دیکھتا رہا، پھر میز کی طرف بڑھا۔

”نہہر وا“ اُس کا ایک ساتھی ہاتھ اٹھا کر بھنسی بھنسی سی
آوازیں بولا۔ پتا نہیں یہ کون سا شیطان چکر ہے۔ ہمیں
معتاطر ہےنا چاہیے ॥

چوڑے شلنے دائے نے بے پرواں سے گردن چمک
کر کھوپڑی کی طرف ہاتھ رکھا۔

”نہیں...“ دوسرا نے بھی اسے باز رکھنے کی لاشش
کی لیکن اُس کا ہاتھ کھوپڑی پر بڑھی گیا، مگر بھر کے ساتھ
پچھے ہٹ آیا۔ کھوپڑی سے بچیب تھم کی آواز نکلی تھی اور پھر
اُس نے دائرے کی خلک میں میز، ناچنا شروع کر دیا۔

دروانے کے قریب ہٹرے وئے تینوں آدمی ایک
دوسرے پر گرتے پڑتے ہوئے بہر۔ نکلے، لیکن چوڑے
شنلنے والا میز پر دونوں ہاتھ دیکے قدرے جھکا ہوا کھوپڑی کا
نالج دیکھتا رہا۔ نہ اُس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور نہ ہی
خوف کی جھلکیاں تھیں، بلکہ اس کے بخلاف حقارت
جھانک رہی تھی۔

یک بیک اُس نے پھر ہاتھ بڑھایا اور ناجتی ہوئی
کھوپڑی کو پکڑ دیا۔ کھوپڑی نک گئی اور اب اُس سے خارج
ہونے والی جنبجنہاٹ بھی رک گئی تھی، لیکن جیسے ہی اُس سے
119

نادر محل ایک بہت بُرانی عمارت تھی اس
کے بعض حصے سوت کر کھنڈ رہیں تبدیل ہو
گئے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی مسح و سالم حصے میں پہنچنے
کے لیے صدر دروازے کا قفل کھونا ضروری تھا یا پھر دروازے
سُورت یہ ہو سکتی تھی کہ میں بالمیں فٹ اونٹی دیواریں
پھلانگی جائیں۔

یہ عمارت پھٹلے دوسری یادگار تھی اور قبر کے اس حصے
میں آباد تھی تھے آج بھی پُرانے شہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے
یہاں کی سبھی عمارتیں پُرانی اور مرمت طلب تھیں لیکن بہت
کم اسی تھیں جو آباد نہ ہوں۔ غیر آباد عمارتوں میں نادر محل بھی
تھا۔ ایک دن آس پاس والوں کو معلوم ہوا کہ نادر محل بھی
کرانے پر اٹھ گیا ہے۔ اس کے ماکان نے شہر کے ایک جدید
طریز پر آباد حصے میں رہتے تھے۔

کرانے پہنچنے کی خبر تو انہیں ملی تھی، لیکن ابھی تک
اس میں کسی نے رہائش نہیں اختیار کی تھی۔

تین چار دن بعد نادر محل کے صدر دروازے پر ایک
لیکسی رُکی اور چار آدمی اترے جن کے جسموں پر بہترین قسم
کے سوت تھے۔ ان میں سے ایک نے صدر دروازے کا قفل
کھولا اور وہ چاروں اندر داخل ہو گئے۔

صدر دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا راب وہ ایک لمبی
سی ٹیم تاریک راہداری میں تھے، جو ابا بیلوں اور چمگاڑوں
کی بیٹ کی بدبو سے بچک رہی تھی۔

راہداری سے گزر کروہ صحن میں آئے۔ پہاں چاروں
طرف جھاڑ جنکاڑ نظر آبے تھے۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا، جیسے
سالہا سے ادھر کوئی نہ آیا ہو۔

چاروں وحشت زدہ لظاہر نے لگ۔ دفعتاً ان میں سے
ایک نے ایک دروانے کی طرف اشارہ کیا، جس پر ایک
چھوٹی سی سُرخ جھنڈی لہری۔ ہی تھی۔

وہ صحن سے گزر کر وسیع دالان میں پہنچے۔ یہیں کے
ایک دروانے پر جھنڈی ہمارہ تھی۔ چوڑے شلنے دائے
آدمی نے مُڑکر اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اور پھر
دروانے میں داخل ہو گیا۔ اُسے موقع تھی کہ یہ کرا بھی نیم تاہیں

اور گرد و غبار سے آٹا ہوا ہو گا، لیکن اس کے برخلاف اس
کی صاف سُمُری فضائے اُسے تغیر ہونے پر مجبوڑ کر دیا۔ بڑے
بڑے روشن دالوں سے روشنی انداز کرہی تھی اور یہاں

لئے اُسے میرے احتمالاً بسننا ہٹ کی آواز پھر فارج ہوتے تھے۔
اُس نے مکوپڑی کے سچے حصے کو اپنی طرف کر لیا۔ تین
چھوٹے چھوٹے ہتھیے بڑی تیری سے گردش کر رہے تھے اور
اُن کی ہبھی گردش کر رہی تھی۔

فعطے اسی طرح اتحادیہ رہا اور تھوڑی دیر بعد پاتیوں کی
گردش تھی۔ چونکے شانے والے کے ہونٹوں پر ایک
حقادت آمیز مسلک اسٹریٹ تھی۔ اُس نے مکوپڑی کو میز پر دال
ڈیا اور مجبازانہ نظر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
بھر تھوڑی دیر بعد وہ اُس قدیم عمارت کے ایک

ایک گوشے میں چکرا تا پھر رہا تھا۔ اصل پرانا ساتھیوں کی
بھی پروانی تھی جو کچھ دیر پہلے ڈر کروانے سے بھاگ نکلے
تھے۔ پوری عمارت کا چکر لگائیں کے بعد وہ پھر اسی
کمرے میں واپس آگئا جہاں اُس نے میز پر مکوپڑی چھوڑی
تھی، مگر اب اُس مکوپڑی کا کہیں پتا نہ تھا۔ اُس نے بے پرواہی
سے پہنچنے والوں کو جذب دی اور کمرے سے باہر نکل آیا، لیکن

اس کا نہ لازمی تھا تو جبھی بھی نہیں معلوم ہنا گرنے میں سامانہ انداز
میں سر بلاؤ کر کھلا۔ اُس نے جذب دی اور کمرے سے باہر آگئا صدر
دروازہ دیوارہ مقلعہ کر کے دہنیکی کی طرف چل پڑا ایسی
میں اُس کے تینوں ساتھی موجود تھے۔ اے دیکھ کر اُن کے چہرے
بھل ائے۔

وہ خاموشی سے ڈرائیور کے بارے میں سچا ڈرائیور کچھ
زروں سانظر آ رہا تھا، ہو سکتا تھا کہ وہ اُس کے تینوں ساتھیوں
کی بد جوابی دیکھ کر ہریشان ہو گیا ہو۔

چلو! اب چڑھنے شانے والا اعڑا۔
تیکسی پہل، ہری وہ سب خاموش تھے۔ تقریباً
پندرہ منٹ بعد وہ گرین اسکواٹر کے ایک ہوٹل کے سامنے
شام کے تین بجے تھے۔ ابھی ہٹلے میں اتنی جیڑی نہیں
ہوئی تھی کہ انھیں کوئی خلی میز نہ ملتی۔ وہ ایک گوشے میں
چاہیے۔

چھوٹے شانے والا اپنے ساتھیوں کو خوشنوار نظر وہ
سے گھوڑ رہا تھا۔
”هم لما کرتے ناگر؟ دھفنا اس کے ساتھیوں میں سے
ایک نہیں ہے“، ہمیں اس کی ترقی نہیں تھی کہ دہان...“

ایک ایسی مکوپڑی سے ملاقات ہو گی، جو بڑے بڑے
ساتھیوں کو چھائے بیزیز نکلی تھی۔ ”ناگرنے مکر پر بیمیں کہا۔
”سُنو یار! اُدھر مساٹی میز پر ماقد مار کر جلا!“ پر کام
ہمیں پاگل بنادے گا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر جرتوں
کا کیا مقصد ہے؟“

”کیا اب تک تھیں کسی کو دھوکا دینا پڑا؟“ ناگر غرزا۔
”نہیں...“
”کسی کو قتل کرنا پڑا ہے؟“

”نہیں...“
”پھر کیوں دم نکل رہا ہے؟ کیا تھیں سخول معاوضہ
نہیں مل رہا ہے؟ اُس پکڑ دھکڑ کے زمانے میں جب تھرپڑوں
کے بارے لدے جا رہے تھے اور فاقل کی نوبت ہنچ گئی تھی۔
کیا یہ ملازمت ایک آسمانی انعام سے کم درجہ رکھتی ہے؟“
”ہم صرف مقدم جانا چاہتے ہیں ناگر!“ تیسرے آدمی
نے کہا۔

”مقصد تو مجھے بھی نہیں معلوم ہنا گرنے میں سامانہ انداز
میں سر بلاؤ کر کھلا۔ اُس نے جذب دی اور کمرے سے باہر نکل آیا، لیکن
”اگر ہمیں کسی کو قتل کرنا پڑا ہوتا تو ہم مطمئن ہو جاتے۔
چین سے سوکتے، میکن اپیسے حالات میں؟“

”تم اب بھی چین سے سوکتے ہو؟“
”نہیں اپیسے حالات میں ممکن نہیں۔“
”حالات ہی سے بیجا چھڑا۔ تھیں کسی نے پکڑا نہیں
رکھا ہے یا ناگر نے خوش گوار بھی میں کہا۔
ایک ناگور سی خاموشی چھائی اسخوں نے ناگر کا یہ جملہ
اچھے دل سے ہیں سنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک نے طویل سانس لے کر کہا۔ تم
اپنی کبو۔ وہ مکوپڑی کی تیکی تھی؟“
”بس مکوپڑی یا ناگر مسلک ایسا اور... اور ناج رہی تھی،
پھر ناچھتے غائب ہو گئی۔“

”غائب ہو گئی؟“ تینوں نے بیک وقت کہا۔
”ہم غائب ہو گئی یا ناگرنے بے پرواہی سے کہا۔
اوہ... تم تو اس طرح کہہ رہے ہو، جیسے کوئی بات ہی
نہ ہوئی ہو۔“

”کیا بات ہوئی؟“ ناگر مسلک ایسا اور غائب نہ ہوئی ہوئی
تو دیکھتا کہ وہ کیا بلائی؟“

”کیا تم ہمیں درانا چاہتے ہو؟“
”میں... نہیں تو... تم خود ہی ڈر کر جائے یا؟“
”یہ میں رستم کے بھیجیں“ ایک نے لفڑیہ لیجے میں کہا۔
”تم خواہ مخواہ اپنی مکوپڑی خالی نہ کرو؟“
”ورنہ وہ بھی خالی ہو کرنا چاہتے لگے گی“ ناگر نے قہقہہ لگالا۔
”اب یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے“ تیسرا بولا، ”جو
دیر سے خاموش تھا“ ناگر، ”میں بے وقوف بنارہا ہے“
”اور تم پرہزاروں روپے خرچ کر کے بے وقوف بن رہا
ہے“ ناگر نے مسلک اکر کہا۔
”کون جانے کوئی مل پا چکر ہو۔ لاکھوں کے وارے نیاۓ
ہوں اور ہمیں بے وقوف بنارہ صرف ہزاروں سے کام نکالا
جارہا ہو۔ ناگر کوون نہیں جانتا؟“
”ذکر ہو!“ ناگر نے دھقنا سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔
”تم لوگ مجھے جواب دہ نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے تھیں ذکر
رکھا ہے۔ اگر تم الگ ہونا چاہتے ہو تو شوق سے ہو جاؤ۔
یہاں تو آم کھانے سے مطلب ہے۔ اگر ہوسکا تو تھیلوں
کے بھی دام و مہول کرنے کی کوشش کریں گے۔ البقہ درخت
وہی گناہ پھرے جس نے لگائے ہوں“
”آہا... تو کیا ہم یہ سمجھ دیں کہ ناگر کو اُس لونڈیا سے
روپیاں ملتی ہیں؟“
”تم تھیں کس سے ملتی ہیں؟“ ناگر نے غصیلے بیجے میں پوچھا۔
”ناگر کا وقت بگڈا گیا ہے۔ اس بے تم لوگ اُس سے اس بیجے
میں گفتگو کرنے کی ہمت کر رہے ہو“
”کریل فریدی کی وجہ سے بہنوں کا وقت بگڈا گیا ہے۔
اکیلے تم ہی نہیں ہو“
”کچھ بھی ہو۔ میں تھوڑے بیوں تک ہاتھ پر بھا کر رہتا
چاہتا ہوں۔ اس کے بعد کریل فریدی کو بھی دیکھوں گا۔ یہ
چیزیں میرے فان سے کبھی نہیں نکل سکتی کہ میں اُس کی وجہ سے
کوڑی کوڑی کا محماج ہو رہا ہوں۔ میں جوئے خانے بند کئے
پڑے۔ ایک پہنچانی اڈا ختم کرنا پڑا!... اور...“
”ارے... لو... وہ بھی ہنچ گئی؟“
وہ چاروں اُس سمت دیکھنے لگے، جدھر سے ایک
اسمارٹ قلم کی یو۔ لیشن ناگر تیر قدم اٹھا کی ہوئی ان
کی طرف آئی تھی۔
وہر منی پتلوں اور سفید سلکی جیکٹ میں بڑی دلش

لک رہی تھی۔ اُس کے ہال سہرے اور گھنٹا یا تھے۔
وہ احتراماً مکھڑے ہو گئے۔ لڑکی نے سر بلاؤ کر شاید خوشی
ظاہر کی تھی اور اُس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ گھری نیلی
نظر آئے تھیں۔
ایک نے اُس کے پیے میز کے قریب کرسی کھسکائی اور
اُس نے اُس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”اُس کا
خیال ہے کہ اُس کا یہ تجھہ تم لوگوں کے یہ تھوڑا بہت پریشان
گھنٹا ثابت ہوا، ہوگا۔“ پھر وہ تاگر کی طرف دیکھ کر مسلک ایسے
ناگر کی آنکھوں میں سوال تھا۔ شاید وہ اس مکارہٹ کا
مطلب معلوم کرنا چاہتا تھا۔
”آن ج تعفیہ ہو گیا سڑنا گا!“ لڑکی نے کہا۔
”کس بات کا تعفیہ؟“
”یہ لوگ تھا۔“ اس کا خیال
ہے کہ تم بہتر طور پر جان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔
”اس خیال کی وجہ؟“ ناگر مسلک ایسا کہا۔ وہ اُس کے گھنٹا یا
بالوں میں جیسے کچھ تلاش کر رہا تھا۔
”ناچنے والی مکوپڑی!“ باس تھیں ایک مفبود دل والا
اور ذہن اُدھی سمجھتا ہے۔
ناگر نے اپنے ساتھیوں کی آنکھوں میں بے اعتباری
کی جعلکیاں دیکھیں اور پھر مسلک ایسا کہا۔ ”مگر ان لوگوں کا خیال
ہے کہ بارے میں ہی ہوں۔ میں اور تم کوئی ایسا پلاٹ بتا
رہے ہیں... کوئی ایسا پلاٹ...“ وہ خاموش ہو کر ... کچھ
سوچنے لگا۔
لڑکی نے ایک سُریلا ساتھیہ لگایا۔ حالات ہی
ایسے ہیں سڑنا گا! ہم میں سے کوئی بھی کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا
مگر جونکہ ابھی بھک میری دانست میں ہم لوگوں کے ذریعے
کوئی غیر قانونی حرکت نہیں ہوئی اس یہ توجہی ہوں گے۔“
”ٹھیک سوچتی ہو تو تم!“ ناگر ہالا تھا اس کا گھنٹا
مسکنے پر بھٹکت کرنا و قبیٹ مبالغ کرنے کے علاوہ اور کچھ
نہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ مجھے احکامات تھارے توسط سے
ملیں گے یا براہ راست؟
”فی الحال میرے ہی توسط سے“
”یہ بڑی اچھی بات ہے... یہ بڑی اچھی بات ہے“
ناگر بے حد خوش نظر آئے تھا اور اس کی آواز کا نیز
رہی تھی۔

دیکھنے لگی۔

"کیوں؟ ناگر کچونک کر اُسے استفہا میہ نظر وہ سے دیکھنے لگی۔" اُوہ... لگ... کچھ ہیں "ناگر غلبیں جما لکھنے لگا۔

لگی نے بھی بات اڑادی۔ ان میں سے ایک نے ویز کو اشارے سے بلا کر کچھ منلوایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جائے آئی جس کے ساتھ جھینگے اور سینڈ و جز بھی تھے۔ ناگر کے تینوں ساتھی غیر مطمئن نظر آتے تھے۔ جائے کے دوران میں وہ خاموش ہی رہے۔ اس کے بعد لڑکی نے کہا کہ ناگر اُس سے چھوڑنے کے لیے آٹھ گنی۔ وہ چاروں ہی اُسے پر اشتیاق نظر وہ سے دیکھ رہے تھے۔ اُس کے چلنے کا انداز بے حد دل کش تھا۔

"چڑی بھی ایک ہی رہی یا تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بولا۔ اب ہماری ناگر کے ہاتھوں میں ہے یعنی کہ... وہ خاموش ہو کر ناگر کی طرف دیکھنے لگا۔ ناگر مسکرا رہا تھا۔" تو یہ کھوپڑی کا قسم دراصل ہمارا امتحان تھا... یکوں ناگر ہے دوسرا بولا۔

"جی املاٹ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے" ناگر نے بے پرانی کہا۔

"اچھا... اب اگر ہم کام کرنے سے انکار کر دیں تو...؟" میرا کیا بگرے گا اس سے مجھے صرف اتنا ہی کرنا ہوگا کہ تمہارے فصلے کی اطلاع باس کو دے دوں گا۔" اس کے بعد پویس بھی ہماری ہم پہنچائی ہوئی املاعات سے فائدہ اٹھا سکتی ہے؟"

یک بیک ناگر بے حد سمجھیدہ نظر آنے لگا۔ "جب تک ناگر اس کھیل میں شریک ہے تم ایسا نہیں کر سکو گے یا ناگر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہو اس اپنے طرح چمنکارا یہ نہ سمجھو کر میں بالکل ہی بے دست و پا ہو گیا ہوں۔ وقت میلٹی کوں ہے نہیں میری کا لوں کا خیال رکھنا" وہ صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

●
یہی انسپکٹر ریکھا نے بنک کا پروگرام بڑی خاموشی سے بنایا تھا اور پہنچنے پاری میں سب لڑکیاں ہی تھیں۔ ان کی تعداد اسیں بہت پہنچ گئی تھی۔ لڑکیاں سب محکمے ہی کی تھیں۔ پروگرام بنانے میں رازداری اس سے یہ برقراری گئی تھی کہ شاول کو جنت دی۔ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم مجھ

جنگ گاری سے پہنچنے دار ہاتھا۔ پہلے تو وہ سمجھیں کہ پرندہ ستمہل نہیں کے گا، لیکن پھر وہ شاخ پر جنم ہی گیا تھا۔ "اگر اسے پھر لڑایا جائے" ایک لڑکی نے جو نیز پہش کرنی چاہی۔

"اڑے جانے بھی دو" ریکھانے کہا۔ میں تو دراصل ہی چاہتی تھی کہ وہ درخت پر ہٹنے جانے اور نہ کسی جانور کا نعمہ بن جاتا۔

"پتا نہیں کیا بات ہے؟ کچھ مزا نہیں آ رہا ہے" جو لیوالہ کیوں؟ مزا کیوں نہیں آ رہا ہے؟" ریکھاتے پوچھا۔ "خدا جانے... یہ ساری تفریخ کچھ بھی سی ہے" میں مجھ تھی" ریکھا مسلکاری، پھر سمجھدی سے بولی۔ "تفریخ تھیں اسی یہے پیکی لگ رہی ہے کہ کوئی مرد ساتھ نہیں ہے"۔

"خمزوری نہیں ہے کہ تم نے صحیح اندازہ لگایا ہو" جو لیوالہ نے کہا۔

"اڑے ہم یہاں بحث کرنے نہیں آئے، چلو" ہلا نے کہا اور دوڑ کر ریکھے پر چڑھنے لگی۔ پھر وہ سب دیں آئیں جہاں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔

یکن اُس وقت قیامت آئی جب وہ تحکم تھا کر کھانے کے لیے بیٹھیں کیونکہ ریکھا کے باسکٹ سے ہیں گڑا گڑاے والی مفرغیاں برآمد ہوئی تھیں مگر جو نکھر تھیں اس لیے گڑا گڑا کر ان کا جی نہیں خوش کر سکتی تھیں۔ سموں کے باسکٹ میں گھونٹے اور سیپیاں نظر آئیں۔۔۔

تریا اکبر مونگ کے پار پڑ لائی تھی جس کا نام اُس کی عرضیں بھی بھی چیزیں تھیں۔ سب پر اسپیشل کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔

فن آئی لینڈ پہنچ کر انہوں نے ایک سر بریز نیکہ منتخب کیا، جس پر ایک سایہ دار درخت بھی تھا۔

تھوڑی دیر بعد تفریخات شروع ہو گئیں۔ کبھی نے گامونون سنبھال لیا اور کوئی بھر کرنے لگی۔ کچھ تاش کھینے بیٹھ گئیں اور پھر بزرے پر چوت پیٹ کر ٹھنڈی اوڑھنی گوار ہوا اپنے پیچھوں میں بھرنے لگیں۔

پھر ایک خوش رنگ پرندے کو پہنچانے کے لیے اپنی پیکے سے پیچے بھی اترنا پڑا۔ یہ پرندہ نجات کو دھر سے آیا تھا، جو زیادہ دوڑنے نہیں اُسکتا تھا۔

وہ تھوڑی دوڑا تھا اور پھر زمین پر آ رہتا۔ یہ اُس کے پیچے دوڑتیں اور پھر جیسے ہی قریب پہنچتیں وہ اڑ جاتا۔

اس طرح وہ یونکے سے پیچے اتر آئیں، لیکن پرندہ ابھی تک نا میں ہو گئیں، پرندہ ایک بار تو وہ بالکل ہی کر کر کہا۔

کہیں کچھ میڈ کے کافوں میں ہنک نہ پڑ جائے، ملران میں کچھ لاکیاں ایسی تھیں جن کے لیے میڈ کی موجودگی ہی سب سے بڑی تفریخ ہوتی۔ بن ایک نے میڈ تک پہنچاہی دیتے۔

اقواری بیٹھتی رہے سب فن آئی لینڈ کی طرف رو اون ہو گئیں۔ اُن کے ساتھ کھانے پینے کا بہترین سامان تھا۔ ریکھا کی ایک خال مفرغ سکم کی اسپیشل تھی۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اس موقع پر اُس کے باسکٹ میں دو چار مفرغ سکم کیوں نہ ہوتے۔ ہلا اپل جو سپر ٹھنڈنٹ کی اسٹینو تھی، اپنے باسکٹ میں صرف پتی اور کٹے ہوئے قیمتی کے کھوے بھر لائی تھی۔ اس کا دادعویٰ تھا کہ اس کے ساموں کی لذت کا لازمی تھا۔ صرف اُس کے خاندان والوں کو معلوم تھا، جو سینہ بے سینہ اُس تک بھی پہنچا تھا جو لیواڑیہ نہیں جو لیواڑیہ نہیں تھے۔ اس کے خاندان کا لازم تھا، جو سینہ بے سینہ جو لیواڑیہ نہیں تھے۔ اس کے ساتھ اُس کے پڑنگ بھی ایسی جو اُس کے خیال کے مطابق ہے۔

تریا اکبر مونگ کے پار پڑ لائی تھی جس کا نام اُس کی دادی اپنے ساتھ قبر میں بیتی چلی گئی تھی، لیکن پھر غلطی کا احساس ہوتے ہی اُسے بواہی ڈال تھیا تک پہنچانا پڑا تھا۔

فن آئی لینڈ پہنچ کر انہوں نے ایک سر بریز نیکہ منتخب کیا۔

میری کوئی کال؟" اُس نے لڑکی سے پوچھا۔

"نہیں... ناگی... اور... سُتو تو... تم آن کل عموماً بہت جلدی میں رہتے ہو۔ کیا تم مجھے نہ بتاؤ گے کہ وہ لڑکی کون ہے؟" وہ میری ایک ملنے والی ہے برتقی اکھوئیہاں تھیں اسے دل لگ گیا ہے۔ نیکوں لگتا ہو گا... مگر اونہیں میں پھر کار و بار شروع کرنے والا ہوں۔ اچھا چیزوں... میری کا لوں کا خیال رکھنا" وہ صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

●

یہی انسپکٹر ریکھا نے بنک کا پروگرام بڑی خاموشی

سے بنایا تھا اور پہنچنے پاری میں سب لڑکیاں ہی تھیں۔ ان

کی تعداد اسیں بہت پہنچ گئی تھی۔ لڑکیاں سب محکمے ہی کی تھیں۔

پروگرام بنانے میں رازداری اس سے یہ برقراری گئی تھی کہ شاول کو جنت دی۔ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم مجھ

"شاید ہریک جانے بُرا سامنہ بنائے کہا۔

"اسے داہ... کیا تم یہ سمجھتی ہو...؟"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھتی خالہ گلہری... وہ کوئی نیوالہ ہی ہو گا، مگر اسے نکھل دو کہ اس نیولے کے ساتھ ہی قم بھی اپنی دُم گنوں بھیٹھوں گی؟"

شیکرے کے نیچے مغرب کی جانب بڑا جھاڑ جھنکا ر تھا۔ ان میں نکلوں کی قدِ آدم جھاڑ یاں بھی تھیں۔ ریکھا ان سمجھوں کو ادھر ادھر سرگردان چھوڑ کر جھاڑیوں کی طرف بڑھی۔ وہ آہستہ آہستہ اور بہت اختیاط سے چل رہی تھی۔ اُس نے یونہی خواہ نخواہ جھاڑیوں میں گھسنے کا ارادہ نہیں کیا تھا، بلکہ اُسے جھاڑیوں سے گزرنے والی پُندڑی پر دوسموں پڑے ہوئے ملے تھے۔

پُندڑی پر وہ دبے پاؤں چلی رہی اور بھر ایک جکم اُسے ٹک جانا پڑا۔ بائیں جانب والی جھاڑیوں میں کوئی تھا، بھر اسے کھسر پھسر کی آوازیں سُنانی دیں۔ کوئی آہستہ سے ہنسا بھی۔ دہ آکر بھی پہنچنے کے قریب رُک گیا۔

"خُدنے چاہا تو یہ مفرغ تھارے پیٹ میں سائب پھتوں جائیں گے؟" جید بھاگنے بھاگنے یہ لخت پتھر چلانے والیوں کی طرف پلٹ پڑا۔ وہ اس اچانک تبدیلی پر بکھلا گئیں اور اُن کے ہاتھ سُست بڑگئے اور ان میں سے تو تین ایسی نرودن ہوئیں کہ خود ہی دوسرا سمت بھاگ نکلیں۔

جید ریکھا کے قریب رُک گیا۔ "ادھر نے خوش ہو کر کہا" مجھے تو یہ ذرخاک کہیں ہاتھی گھوڑے نہ بن جائیں۔" اس پر ریکھا اور چڑگئی دوسرا لڑکیاں بھنس رہی تھیں۔ ان میں جو لیا پیش پیش تھی۔

قائم بھر اپنی جھاڑیوں میں دبک گیا تھا۔ ریکھا کی شکل دیکھ کر اُس کی ہمت ہی نہیں پڑی تھی کہ جید کے باس آتا۔ وہ ریکھا سے بُست دُرتا تھا۔ کیونکہ وہ کئی بار اُس کی اجھی طرح خبرے چُلکی تھی۔

"میں کرنل صاحب سے شکایت کروں گی" ریکھانے مخصوصیت لے چکے ہو گئی۔ اسے سچ مجھے جید بدر بڑا تما فارما رہا تھا۔ "کرنل...!" جید مسکرا کر بولا۔ بکرنل آج کل شکایتیں اُنکے مُوڈیں نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ آج کل اپنے خاندان کے متعلق رسیرچ کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے تھیں اس اطلاع سے خوشی بھی ہوئی ہو۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اُن کے خاندان میں کبھی کسی نے مجرمت بھی کی تھی یا نہیں؟

"مجھ کیوں خوشی ہوگی اس اطلاع پر؟" ریکھا اور زیادہ جھلک گئی۔

"اگر یہ ثابت ہو گیا کہ اُن کے خاندان میں کبھی کسی نے مجرمت کی تھی تو پھر جانتی ہو کیا ہو گا تھیں یقیناً خوشی ہو گی یہ معلوم کر کے!"

"محجوں سے بے بلکی بکواس مت کیا کرو۔ میں پوچھتی ہوں کہ تم نے کہا کیوں چڑایا؟"

"پیارے مجھے تو ہنسی آرہی ہے؟" "حق میں ڈنٹے اُتر جائیں گے اگر بھسی آئی۔ ریکھا کو

انتے اختیارات ہیں کہ وہ تھیں بند بھی کر سکتی ہے؟" "اے جاؤ، بہت دیکھی ہیں، ایسی ریکھاں ویکھاں میں سچ کہتا ہوں، خاموشی سے کھاؤ۔" "خُج... خاموشی... غلب... ارے باپ سے؟"

بے ساختہ اچھل پڑا۔ ایک بڑا پتھر دھپ سے اُس کی ہمیخہ بر بڑا تھا۔ جید کے ہاتھ سے مُرغ چھوٹ پڑا، کیونکہ ایک دو

"کھاتے کے یے... اگر میں نے کھانے کی بجائے اُسے لگے سے سکایا، تو بلاشبھ مجھے گولی مار دو" "میں گولی ہی مار دوں گی تمھیں کسی دن؟" دفعہ کئی چیخیں فضامیں ابھریں۔ "بچاو... بچاو..." آواز سوانی تھی۔ اب محمد کو خیال آیا تھا میں لڑکیاں سلنک کی طرف نشیب میں دوڑتی چلی گئی تھیں آواز اسی سمت سے آئی تھی۔ ایک لمج کے یے وہ سب ساکت رہ گئے، پھر حمید آواز کی طرف دوڑ پڑا۔

اتنے میں دو لاکیوں کے سرنشیب سے اُبھرے... دو نفیں باہم بھالی ہوئی بیخ رہی تھیں۔ ہلدا کو لے گئے۔ دوڑو.. دوڑو؟" وہ اوپر آئیں اور بے دم ہو کر گر پڑیں۔

"کون لے گیا ہلدا... کو...؟" حمید چیخا۔ "ادھر نیچے... کیپٹن... دوڑیے" ایک بانپتی ہوئی بولی۔ دوسرا اسی ٹکھنی میں بند ہو گئی تھیں۔ حمید نشیب میں اُرتا چلا گیا، مگر ادھر تو سنائا تھا۔ دُرتک کوئی کشہ، بھی نہیں لظر آرہی تھی۔

وہ سمندر کے کنارے دُرتک دوڑتا چلا گیا، لیکن ہلدا کا نشان کہیں نہ ملا۔

حمدید پھر پڑا۔ لیڈی اسپکٹر ریکھا اور بھوپالی اسی طرف ہی آرہی تھیں۔

"وہ دو نفیں بے ہوش ہو گئی ہیں" ریکھا نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ہلدا کہاں ہے؟"

بہاں پاروں طرف سناتا ہے، "جید نے میں سانوزا میں کہا۔

ناگر کی پیشانی پر شکنیں نظر آرہی تھیں۔ اُس نے ایک

بائہ پھر بڑکی طرف ریختے گلا۔ لفٹ اور پر جا چکی تھی اور

اپنی کمی امیدوار اس کے منتظر تھے۔

بڑا کو اُس وقت تھا جب وہ وہاں تہباہ رہ جاتا۔

وہاں مٹھرے رہنا تھا۔ جب تھہ وہ وہاں تہباہ رہ جاتا۔

اس کے جانتے ولے اُس کی اس عادت سے بخوبی واپس

تھتھ کر وہ کسی بفت میں اُس وقت قدم رکھتا، جب وہ

ہاکل خالی ہو۔

سب جانتے تھے کہ وہ لفٹ خالی ہو جانے کے انتظار

میں اکثر ایک ایک گھنٹے کھڑا رہ جاتا اگر کبھی کوئی اُس

کی اس مفعملہ خیز حرکت کی وجہ پر چھبیٹھا تو وہ یا تو ہنس کر میں دیتا یا پھر رڑی سمجھی گئی سے کہہ دیتا۔ "بُس عادث ہی تو ہے۔ بہتی عادتوں کا کوئی جواہر نہیں ہوتا"

بمشکل پندرہ یا بیس منٹ بعد اُس نے بفت کے اندر قدم رکھتے ہوئے بفت میں سے کہا۔ "تاب فلور"

بفت میں نے باہر جھانک کر دیکھا۔ شاید کوئی اور بھی ہوئیں کسی نے بھی اُسے روکنے کا اشارہ نہیں کیا۔ البتہ ناگر...

مضطرب باند انداز میں بولا۔ میں جلدی میں ہوں جوست یا لفٹ ہلکی سی کھڑک رہا ہے کے ساتھ اور اپر اٹھنے لگی۔

ناگر بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ آٹھویں منزل پر بفت رُک گئی۔ ناگر ماہر نکل کر بالکل پر آگئی۔ اب وہ بائیں جانب چل رہا تھا۔

آسی یوریشین لڑکی کا چہرہ باہر نکلا، جو ناگر سے ہوئی میں ملی تھی۔

"آجاف، اندر آجاف" وہ بچھے بہتی ہوئی بھی۔ دروازہ بھی پورا کھل گیا تھا۔ تاگر فیلم ہیٹ آتار کر اندر داخل ہوا۔

یہ ایک معمولی طور پر سجا ہوا کمر اتعان ناگر سے اچھتی ہوئی نظروں سے گرد و پیش کا جانزہ لیا اور بھر آہستہ سے بولایا۔ بچھلی شام قم یونپل گارڈن میں کیوں نہیں ملی تھیں؟" کیسے ملکی کیا تھارے تینوں آدمی والے نہیں منڈلا ہے تھے؟ باس اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف قم پر اعتماد کرتا ہے:

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخڑ کیوں؟" بیٹھوں سڑناگہ! میرا خیال ہے کہ وجہ سمجھنے کے لیے سر مارنا فضول ہی ہے۔

ناگر ایک گرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا بیٹھ گے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"شکر! یہ بس موناکر سٹی! میں کسی چیز کی حاجت نہیں

محسوس کر رہا ہوں؟"

لڑکی نے میز کی دراز سے سگریٹ کیس نکالا اور ایک

گھر بٹ منجب کر تھی ہوئی بھی۔ "تم سگریٹ بھی نہ تھوا کر دے

125

جے، کیونکہ پائپ پتیہ ہو۔

اس پر ناگزیر صرف مسکرا کر رہا گیا اور مونا اپنا سگریٹ سلگانے لگی۔ وہ اس وقت صرف ڈرینگ گاؤن میں تھی اور اس کے سنبھلے بال بے ترتیب نظر آئے تھے۔ ہنچوں پر سُرخی بھی نہیں تھی، لیکن اس کے وجود بھی وہ دل کش گ رہی تھی۔

یہ زندگی عجیب ہے مسٹر ناگر! اس نے کافی مقداریں دھواں بھیرتے ہوئے کہا۔ تم نہیں کہہ سکتے کہ آئے وہی محالات میں تھیں افہان تھیں لکھرے جا رہے ہوگا۔

”اگر زندگی میں ایسے تغیرات نہ ہوں تو پھر کوئی کسے جے میں کرٹی ہے؟“ ناگزیر مسکرا کر اسے کہا۔

”کیا تم اپنی موجودہ حالت پر مطلع ہو؟“ وہ اسے نور سے دیکھنے لگی۔

”یہی سوال میرے تینوں ساتھی بھی بد بذریعہ اچھے ہیں ملک میں آج تک انسانیں کوئی واضح جواب نہیں دے سکا۔ ملٹن ہونا یا نہ ہونا بھی حالات ہی پر منحصر ہے۔ آج جل حالات ایسے ہی ہیں کہ میں پیچانی کے تختے پر بھی ملٹن نہیں ہو سکتا ہوں۔“

”ایسی یہے قوباس تم پر اعتماد کرتا ہے؟“ ناگزیر پانپ میں تباکو بھرنے لگا۔ شاید وہ کچھ سوچنے لگا۔

”کیا میری خاطر اسے ڈھلنے کی تکمیل گوارا کر فٹی؟“ سوچنے لگا۔

”آہا...“ ناگزیر مسکرا پڑا۔ ”حالانکہ میری پاس تم ہی ہو۔“ میں کچھ بھی نہیں ہوں مسٹر ناگر!“ وہ معلوم ہیے میں بولی۔

”میرا کام صرف اتنا ہے کہ میں ایک ناطق آدمی کے پیغامات سے انداز میں دیکھی رہی ہوں!“

”میرا کام صرف اتنا ہے کہ میں ایک ناطق آدمی کے پیغامات کسی دیوانے کی بکواس ہی بیوں نہ ہوں!“

”اوہ جب میں یہ بے تکے پیغامات اپنے میون...“

”ساتھیوں تک پہنچانا ہوں تو وہ پاٹیلی ہو کر کتوں کی طرح بھونکتے ہیں؟“ ناگزیر نہ پڑا۔

”مگر تم پر کوئی اثر نہیں، سوتا!“

”قطلی نہیں!“

”تب تم اس ناطق آدمی کے راستے واقف ہو گے!“

”میں تو یہ بھی نہیں چانتا کہ وہ کوئی آدمی ہے یا اگر لیے

اور نہ اس بڑی جامداد کا جس کی وارثت ہرفت میں، ہی ہو گئی تھی، البتہ جس مینک کی معرفت درافت بھیجا گیا تھا۔ وہاں اس دکیل، ہی کے نام سے رقم بچع، ہوئی تھی اور وہ مل بھی اس کا وہی پتا درج تھا، جو اس نے میرے خط میں تحریر کیا تھا۔ تقریباً ایک ماہ تک جملک مارتے کے بعد میں وہاں سے برما کے لئے روانہ ہو گئی۔ بھری سفر احتیار کیا تھا۔ ایک دن جب میں ہر شے سے اپنے کپیں میں والپس گئی مجھے بر تھپر ایک لفاف ملا جس میں کئی بڑے فٹ تھے اور ایک خط بھی تھا، جس میں تحریر تھا۔

”مالی ڈیزی مس کرٹی! مجھے بے حد افسوس ہے کہ تم لفدن سے بے نیل مرام والپس جا رہی ہو، مگر میں کیا کروں۔ ایک بہت بڑا ذشم، بڑی اور تھاری ٹھات میں ہے۔ میں تھارے کاغذات سیست روپوشن ہو گیا، ہوں، اگر ایسا نہ کرتا تو میں بھی مارڈ لا جائیں اور تم بھی محفوظ رہتیں۔“ اس وقت لکھ کے یہ معاملہ مل رہا ہے، جب تک دس دن پر مسلمان ہر سچا ہے۔ میں اسی طرح تھاری مدد کرتا رہوں گا اور اب تھیں زندگی بس کرنے کے لئے معمولی قسم کی ملازمتیں نہ کرنی پڑیں گی۔“

”کیا میری خاطر اسے ڈھلنے کی تکمیل گوارا کر فٹی؟“ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتی اور سگریٹ کے کش لیتی رہی، پھر بولی۔ ”میں دراصل ایکلو بڑی بھول۔ چھ ماہ پہلے رنگوں میں تھی میرے والدین مر جئے ہیں۔ میرا باپ انگریز تھا اور مال بڑیز۔ آج سے چھ ماہ پہلے مجھے نہن کے ایک دکیل کا خط ملا، جس نے تھا تھا کہ میرے لاولدہ چھانے ایک بہت بڑی جامداد چھوڑی ہے جس کی وارثت صرف میں ہی ہو سکتی ہوں۔ میرے علاوہ اور کوئی قریبی عزیز موجو نہیں ہے۔“

”بر ماہنچ کریں نے دوبارہ فرمائی حاضری دی عقل مندی ہی کی تھی کہ ملازمت چھوڑ کر نہیں گئی تھی، بلکہ چھ ماہ کی خصوصی میں اس وقت ایک پرائیویٹ فرم میں بہت ہی معمولی تھواہ پر ملازم تھی۔ بہر حال، میں نہن کے بیچے روانہ ہو گئی، مگر وہاں مجھے اس پتے پر اس نام کا نوٹ دکیل نہ مل سکا۔ کبھی دن بہت سرگردان رہی۔ آخر پھر برما کے ملکی مکیش سے رجوع کیا۔ ایک بہتے تک اس معاملے کی تفہیش ہوئی رہی، لیکن نہ تو اس دکیل، ہی کائنات غم میں تھا۔“

پاپورٹ کے لیے کوشش کی، لیکن نہ مل سکا۔ دکیل نے اٹار پڑی کر پہاڑ پہت مژوڑی ہے، کیونکہ پہاڑ بھی جو نہیں کیا تھا۔ میں قانونی گرفت میں نہیں آئے پاؤں گی۔“

”مجھ پر نوہر جان ایک بہت بڑی دولت کا نشہ طاری تھا، اس لیے میں بے چون وجاہ پہاڑ کے لیے روانہ ہو گئی، مونا کرسٹی میرا جعلی نام ہے، جو پاپورٹ پر درج ہے۔ پہاڑ آتے ہی دکیل سے میرا بابس بن گیا۔ اب مجھے اس بڑی جامداد کے تعلق کوئی جواب نہیں ملتا، لیکن رقم اب بھی وہی ملتی ہے، جو پہلے ملتی رہی تھی۔ اکثر میں نے اسے دمکتی بھی دی ہے کہ میں پولیس کو اطلاع دے دو۔ پولیس گی جس کا جواب بھی ملا ہے کہ خوف سے دے دو۔ پولیس مجھے نہیں پا سکے تھی، لیکن خود تم ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گی۔ کیونکہ برما سے یہاں جعلی پاپورٹ پر آئی ہو۔ بس میں خاموش رہ جاتی، ہوں اور میں نے خود کو ... حالات کے رحم و گرم بدر چھوڑ دیا ہے۔“

”تمھیں لیکیں ہے کہ آج تک تھارا سامنا اُس کے نہیں ہوا، تاگر نے پوچھا۔

”میں لیکیں ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ میں جب اسے پہچانتی ہی نہیں تو وہ ہزاروں بار میرے سامنے آیا ہو گا اور کیا یہ ممکن نہیں ہے؟“

”وہ خاموش ہو کر ناگزیر آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسلسل پھر سڑت آمیز لہجے میں بولی: ”وہ دکیل قوم بھی ہو سکتے ہو۔“

”ناگزینے لگا اور وہ بد تصور شرارت سے آنکھیں چھکاتی ہوئی بولی: ”تاوہ نا تھارے بیاس کیا بیویت ہے کہ تم وہی دکیل نہیں ہو۔“

”کیا ٹرانسیمیٹر میں تم میری ہی آواز سنتی ہو؟“

”آوانہ بدل بھی جاسکتی ہے اور پھر ٹرانسیمیٹر، آوانہ پہچانا تو بہت سلک ہے جب کہ میں فون پر بھی اپنے بعین بے تکلف دوستوں کی آوازیں پہچانے کا سلیقہ نہیں رکھتی۔“

”بات تو میں ہے یا ناگزیر کیا؟“ میں تھیں یعنی نہیں دلاسکوں گا کہ میں ہی وہ دکیل نہیں ہوں جو اس تھارا

باں بن بیٹھا ہے، مگر تم نے آخری سب کچھ مجھے کیوں بتا دیا؟“
”تاکہ تم مجھے، ہی باس نہ سمجھو“ مونا شکرانی۔
وہ تھوڑی درستک اس مذاق سے محفوظ ہوتے رہے،
پھرناگرنے پوچھا یہم ازکم قم یہ تو بتاسکوئی کہ رانسیمیر بد بونے
والاشتی ہے پامغرب کا باشندہ“
لہجے سے وہ مجھے فرانسیسی معلوم ہوتا ہے اور بتیرے
الغاظ کا لفظ بھی فرانسیسیوں ہی کے سے انداز میں کرتا ہے۔
ناگر پھر کسی سونج میں بڑھی، مونا بھی خاوش ہو گئی
بھی۔ پھر دیر بعد، اس نے ہنس کر کہا: ”آن تمہیں اور تمہارے
ساتھیوں کو ایک بہت ہبت ہی گند اکام کرنا ہے۔“
”وہ کیا؟“

”ایک کنے کی لاش کنویں میں چینکنی ہے۔“

”کیا مطلب؟“
”کتنے کی لاش سمجھی وہ تمہیں آج آٹھ بجے رات کو
نادر محل کے صدر دروازے پر پڑی ملے گی۔ قم اسے پڑانے
شہر کی حاتم گلی والے کنویں میں پھینکو گے۔
”تم مذاق تو نہیں کر رہی ہو؟“

”شاید اس سے پہلے بھی مذاق کمی رہی ہوں گیوں؟“
ناگر، رہا سائنس بنائے ہوئے کچھورج رہا تھا۔

ایسا معلوم ہوا تھا، جیسے سارے شہر کی پویس فن آئی
لینڈ میں الٹ پڑی ہو۔ ہلکی تلاش بڑی تندی سے جاری
ہتھی۔ باور دی پویس تو خیرتی ہی لاتعداد سادہ بیاس ولے بھی
جزیرے کے چھتے چھپے پر پھیل گئے تھے۔

علماء توں کی تلاشیاں لی جا رہی تھیں اور دولت مند
طبقے کے لوگ اس پر جھلا جھلا کر احتجاجاً اعلیٰ آفیسروں کو فون
کر رہے تھے، لیکن اس وقت کسی کی بھی شکرانی نہیں ہو رہی تھی۔
معاملہ محکمه مُراجِع رسانی کی ایک لڑکی کا تھا۔ اس
یے ایک گھنٹے کے اندر ہی امداد گویا سارا جزیرہ الٹ
پلت کر کھو دیا گیا، لیکن ہلدازہ ملی۔

دولوں لڑکیوں کا بیان تھا کہ ہلدازہ ملے جانے والا
ایک مبارکہ لگانیقاپ بپوش تھا، جس نے جاتے جاتے
پلت کر ان دلوں کو جان سے بار دینے کی دھمکی دی تھی
اور وہ چینچی ہوئی اور بھائی تھیں۔

عیید کو اس پر بڑا غصہ آیا تھا اور اس نے اپنی اسکے

ریخا سے کہا تھا: ”کاش وہ تم سمجھوں کو پکڑ لے جانا۔“
”سب تھماری وجہ سے ہوا“ ریخا دہاری۔
”طفوان نور جبھی تو میری وجہ سے آیا تھا“
ریخا بُری طرح چڑھ گئی اور اس کا بخمار اُس نے
قا سم پر نکالا۔ وہ کسی کئی ہوئی پتنگ کی طرح جزیرے میں
دولتا پھر رہا تھا۔ ریخا نے کانسیلوں کو حکم دیا کہ وہ اُسے
نزٹے میں لے بین، پھر وہ اُن دونوں لڑکیوں کو اس کے
قریب لے گئی۔
”خیا بھی تھا؟“ اس نے پوچھا۔
”نہیں اتنا نبایا جوڑا بھی نہیں تھا“ ایک لڑکی نے جواب دیا۔
”امے... بھلے... میں... عنخ... واہ...“ قاسم بُوكھلانے
ہوئے انداز میں ہکلایا۔

انتے میں عیید بھی دلمان ہرثیغ گیا۔
”غمید... بھائی... جرا دیکھو تو یہ قاسم نے جھپٹے ہوئے
انداز میں شکاٹ کیا۔
”میں کھا۔ خدا دیکھ رہا ہے۔ یہ سب چیک کاشکار ہو کر
نقشیں ہو جائیں گی انشا اللہ“
”خدا کرے تم خود مُرد“ ریخا کی سوانیت جائی تھی۔
”خدا کرے یا نہ کرے ایک دن تو مزا ہی پڑے گا، مگر
تمہارا بھرہ کیسا لگے تھا، اگر نکل آئی پیچک“
ریخا دانت پیس کر آگے چلی گئی۔

پھر کچھ دیر بعد عیید کو وہاں کمنل فریدی نظر آیا، جس
کے چہرے پر تھری ٹھانیت تھی اور وہ سکار کے ہلکے ہلکے کش
لے رہا تھا۔ اس نے عیید کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔
”کیا قسم ہے؟“ اس نے پوچھا۔

عیید کو اپنی شیفتت بھی دھرائی پڑی، لیکن فریدی نے
اس پر کچھ نہیں کھا۔ وہ تو مجھا تھا کہ شاید فریدی حسب معمول
پہلے تو اخلاقیات پر لایک طویل سچھر پلانے گا اور پھر اسے
کسی بار بردارنے سے کی طرح کام پر نکادے گا، لیکن اس کے
انداز سے یہ بھی نہ ظاہر، وہ سکارہ وہ اس کیس میں دلپیسی ہے گا۔
”آن جکل میرنے پاس کام کی زیادتی ہے، ورنہ اسے بھی
دیکھتا“ اس نے بے برداش سے کہا اور ایک پتھر پر بیٹھ
گیا۔ عیید کی جان میں جان آئی اور اس نے سوچا کہ اب آتو۔
مارہ نجے شب تک اتوار ہی رہے گا۔

”ملک مجھے حیرت ہے کہ وہ اتنی جلدی غائب کیا۔
عیید کو اس پر بڑا غصہ آیا تھا اور اس نے اپنی اسکے

ہو گیا“ عیید تے پاپ میں تباکو بھرتے ہوئے کہا۔ وہاں
پہنچنے میں مشکل تمام دو منت لئے ہوں گے“
”للخ میں پیچھے کلکل گیا، ہو گا“
”دُورِ دُور تک کسی لائخ کا پتا نہیں تھا“ عیید نے کہا۔
”کیا تم اپنے جزیرے کا جنگر لگا سکو گے دو منت میں؟“
”نہیں، پھر بھی میں شاید اپنی زندگی میں کبھی اتنا تیز نہیں
دوڑا تھا، جتنا آج دوڑا ہوں یا“
”ایک لڑکی کا معاملہ تھا نا“ فریدی مسکرا ایسا۔
”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اس معاملے کا مضمون یوں
اڑا رہے ہیں؟“ عیید نے حیرت سے کہا۔
”بواس مت کرو“ فریدی کہتا ہوا اٹھ گیا۔

●
اس معاملے میں تو عیید کو اس سے غرفت بھی ہی نہیں کہ
فریدی اس میں دلپیسی رہتا ہے یا نہیں۔ وقت طور پر اس
سے ضرور کہاں سرزد ہوئی تھی، لیکن پھر اس نے سوچا کہ پہلا اُس
کی موجودگی میں وہاں سے غائب ہوئی تھی اس سے اُسے
پکڑ رہا چاہے۔
لیڈی ان پکڑ ریخا اُس کے ہم چشمیوں میں اُس کا
مضمضہ اٹاٹی پھر رہی تھی۔ وہ عیید سے یوں بھی رُزی طرح خوار
کھاتی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عیید ہی اس کے
اور فریدی کے درمیان میں آگیا ہو۔

وہ اس وقت ریخا ہی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ فون
کی گھنٹی بھی۔ اُس نے زیبیور اٹھا لیا۔ دوسرا طوف سے فریدی
بول رہا تھا۔

”میری کوئی کال آئی تھی؟“ فریدی نے پوچھا۔
”بُر نہیں“
”سیا کر رہے ہو؟“
”ہم اُن کھارہ ہوں یا
کیوں...؟“
”کیا ریخا یہ سمجھتی ہے کہ آپ مجھ سے عشق کرنے لگے ہیں؟“
”کیا بکواس ہے؟“
”ارے وہ پھر سے اس طرح جلتی ہے جیسے مجھے آپ
کی جمیوں بننے کا شرف حاصل ہو گیا، ہو؟“
”کسی وقت تھا لاذہن سوڑت سے غالی بھی رہتا ہے؟“

”اُس وقت کو میرا آخری لمحہ کہیں گے جب ایسا ہو؟“
”کیا تم اپنے بیدر دوم سے بول رہے ہو؟“
”ظاہر ہے یا
”تعین باہر جانا ہے“
”کہاں؟“
”آر لکھنو، وہاں ٹھیک ساری ہے نو بچے تین آدمی پہنچیں
میں تعین ان کا تعاقب کرنا ہے یا“
”وہاں شاید تین ہزار... تین آدمی تھیں ہی ایک بنا دو بھی نہیں ہو سکتا؟“
”پوری بات سنو“
”کُن رہا ہوں“ عیید مردہ سی آوار میں بولا۔
”تم اُن تینوں کو اچھی طرح پہچانتے ہو۔ وہ ایڈی، اُونی اور
پلکر ہیں“
”اُن کی نگرانی تو قیسے بھی ہوتی تھی“ عیید نے کہا۔
”آج کل نہیں ہو رہی ہے یا“
”ارے کسی سادہ بیاس ولے کو نگاہی ہے؟“
”نہیں تم جا فرگے“ فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ اور
میک اپ میں جا فرگے جلدی کرو، صرف وہ گھنٹے ہیں“
”بہت بہتر جناب عالی!“ عیید نے اُپری ہونٹ پھینک
کر کہا اور سلسہ منقطع کر دیا۔
میک اپ اور بھاگ دوڑ بات کیا تھی اُسے علم نہیں
تھا، لیکن میک اپ کی ضرورت بہت ہی خاص موقع پر
محسوں کی جاتی تھی مگر کچھ بھی ہو عیید اس وقت کام کے نوڑو
میں ہرگز نہیں تھا۔ خواہ وہ ہلکا ہی کا معاملہ کیوں نہ ہوتا۔
داخل اُسے آٹھ بجے کوڑچیں منٹ پر ملک سرکل ناٹ
کاپ پہنچنا تھا۔ وہ اپنی ایک نئی ملنے والی کو وقت دے چکا
تھا۔ بھن... بھن کے علاوہ اور کیا بوقا نہ وہ بھی بہ اشت
کر سکتا تھا کہ اس کی نئی دوست اُس کے متعلق کوئی ٹری ٹرے
قائم کرے اور دیہ بھی ناچکن تھا کہ وہ فریدی کے حکم کی تعیل
ذکر تا، اگر میک اپ کا جھگڑا نہ ہوتا تو وہ دونوں ہی کو نیچانے
کی کوشش کرتا۔ ساری ہے آٹھ بجے وہ ملک سرکل کلک میں ملنے
والی تھی اور ساری ہے نو بچے اُن تینوں کو آر لکھنو پہنچانا نامکن ہو جاتا۔
صرف ایک گھنٹے کا وقت ملتا، لیکن اس ایک گھنٹے میں...
میک اپ کر کے صحیح وقت پر آر لکھنو پہنچانا نامکن ہو جاتا۔
وہ سر پیٹتا ہو اور اپنی منزل پر آیا۔ یہاں تجربہ گاہ میں

میک آپ کامان بھی رہتا تھا۔ وہ چند لمحے ڈریٹنگ میبل کے سامنے بے حس و حرکت ہمارا تھا، پھر یک بیک اُس کے ہونوں پر ایک غریر سی سُکراہٹ نظر آئی۔

اس کے بعد وہ ایکڑک شیونگ میشن سے اپنی دارمی اور موجیں ٹھہر جائے گا۔ چہرے کی سمجھی قسم کی مرمت ہو جائے پر اسے پہچانا دشوار ہو گی اور پھر جب اُس نے اپنے سر و صعنی سُنہرے بال چپکا لی تو اس قیامت ہی، ہو گی خود اُس کا دل چاہا کہ آئینے ہی سے پٹ جائے۔ ایسی حسین نسوانی شکل نکلی تھی کہ بس۔

اب وہ سوچنے لگا کہ ساری استعمال کرے یا اسکرٹ۔ زندگی میں پہلی بار عورت کا میک آپ کیا تھا، میکن اُسے خود پر اعتماد تھا۔ وہ مطمئن تھا کہ اس روں میں بھی کہیں سے جھول نہیں ہو سکتا۔ ویسے فریدی کی یہ منشاہر گز نہیں سے تھی کہ حمید کی عورت کے میک آپ میں اُن تینوں آدمیوں کی نذری کرے۔ اُس نے نبھی خود پر اس قسم کا کوئی میک آپ آزمایا تھا اور نبھی حمید ہی کو اس کی رائے دی تھی۔

پھر تو گواہی سو فی معد اسی چھپکی کا سڈھ تھا جو کبھی بھی حمید کے سر پر سوار ہو کر اُسے سوایا کر تھی جتوڑی دیر بعد، وہ بکے نار بجی رنگ کی سائی میں ایک درازقد اور غیر معمولی طور پر صحت مند لٹک نظر آئے تھے اور پھر اُس نے آئینے میں انکھاری۔ اب سوال تھا ملازوں کی نظر دنے سے بچ کر نکل جائے کا۔ اس کے پیسے اُس نے عقی زینے استعمال کیے اور عمارت کی پشت پر پہنچ گیا۔

پھر گیران ج مک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئی۔ کچھ فذ کا پاہاتک ابھی کھلا ہوا تھا۔ اُس نے گیران سے جھوٹ آئینے لگے۔ حمید نے ایسی حرکتیں شروع کیں کہ ان کا دل بڑھ لیا اور ایڈی اٹھ کر اُس کی میز پر آیا۔ کیا آپ ہماری دعوت قبول کریں گی محترمہ؟ اُس نے بڑے ادب سے کہا۔

”تشریف رکھیے“ حمید نے تھیسی ہوئی سُکراہٹ کے ساتھ کہا۔ میں اس شہر میں ابھی ہوں۔“

ایڈی اُس کا شکریہ ادا کرے بیٹھ گئی۔ یہ بیٹھیزی مزروتی یا اُس نے تماضانہ انداز میں ٹانچ ملتے ہوئے کہا۔ مکر میں نے سوچا ہمکن ہے، آپ اس شہر میں نوادرد ہوں۔ بات دراصل یہ ہے محترمہ اس بستی، ہی بات عرض کر دوں۔ ہم تینوں پیشہ ور کا نیڈ ہیں۔ اگر آپ نے ابھی تک کوئی گائیڈ نہ کیا ہو تو میں اپنی خدمات پیش کروں۔“

”مزروتی پیش کیجیے میں آج، ہی تو آئی ہوں؟“ اُس نے

ہنس کر کہا، پھر مٹہ بنا کر بولا۔“ اُف فو... کتنی پیاس ہے وہ کم بنت ویز؟“

”کیا پہنیں ہی آپ؟“

”رات کوئی پانی نہیں پیتی؟“

”پھر بھی بتائیے ناکیا منکاروں؟“

”میں خود منکروں کی“ حمید نے کچھ غصیلہ ہیجے میں کہا۔

”کیا تم مجھے کوئی فخر تمجھے ہو؟“

”ارے نہیں محترمہ! یہ آپ کیا فرمائی ہیں؟“ ایڈی بول کھلا گیا۔

”بلاؤ اپنے ساتھیوں کو بھی بلاؤ اور تم تینوں میں کر مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کرو۔ اے... بواٹے؟“

”ویز تیزی سے میز کے قریب آیا۔“

”شیری لاو... اور ایک اسکارچ... یا پھر تم لوگ کیا پیتے ہو؟“ اُس نے ایڈی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”وصلی، وہاٹ بارس یا ایڈی گز بڑا کر بولا۔“

”ایک بوتل وہاٹ بارس، ایک شیری، جلدی کرو؟“

”حید نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ ویز چلا گیا، پھر وہ ایڈی کی طرف مژکر بولا۔“ بلاؤ نا اپنے ساتھیوں کو۔ نہ میں کوئی مفلس عورت ہوں اور نہ مزدوں سے ڈلتی ہوں؟“

”آپ خواہ مخواہ بدگمان ہوئی ہیں محترمہ! ہم تو آپ کے خادم ہیں؟“ ایڈی نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اسی میز پر آ جانے کا اشارہ کیا، میکن حمید نے اُس کی آنکھوں میں ابھن کے آثار دیکھے۔

”آپ ایک مہربان خاتون ہیں؟“ اُس نے نومنی اور پیلاری میں ایڈی اپنے از راہ نواز شر میری خدمات قبول کر لی میں اور یہ دعوت... آپ ہی کی طرف سے ہے؟“

”آن دونوں نے مشکلانہ انداز میں ہر فر سر بلا دیے... زبان سے بکھرنہیں کہا۔“

”ملن، میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں“ حمید ہنس پڑا۔ ویز رئے میں شراب کی بولیں، گلک اور سوڈے کا سائیفن لیا اور وہ دونوں اشتباہ آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگے۔

پھر تغوری ہی دیر بعد وہ سب بڑی گرم جوشی سے پیارہے تھے، کیونکہ حمید نے اخیں تاؤ دلا دیا تھا۔ اُس نے اپنے کسی ایسے دوست کا نہ کرہ کیا، جو بڑا بیکر تھا جسے ایک

”130“

کاب نہیں ہنچ سکا تھا۔
ذرا ہی سی دیر میں اُسے شکار نظر آگی اور شکار بھی ایسا
کہ بن مڑا ہی آ جاتا۔

قائم ان دنوں روزانہ آر لپھنوں میں آ رہا تھا۔ کیونکہ رقص
گاہ کے درش پر پاؤ در چھڑ کئے والی لڑکوں میں سے ایک
اُسے پہت پسند اٹھنی تھی مکر فاہر ہے کہ وہ اُسے صرف دیکھتا
اور شفعتی سائیں ہی کمینپتا رہا ہو گا۔ اُس میں بھلا اتنی تھت
کہاں تھی کہ وہ کسی لڑکی سے ملنے ملائے میں پہل کر سکتا...
ولیے اُس کا یہ قول بھی سچا ہی ہوا سکا تھا۔
محبوبت اثر کرتی ہے چیز کے چنکے
محبوبت کی حکماوشن انگار یاں ہیں۔

وہ اس شعر کو گنگنا کر پڑھا کرتا تھا، ملک چنگار یاں
اُسے ہمیشہ انگار یاں یاد آتیں۔ اگر کوئی توک دیتا تو ہمچھ سے
اکھڑ جاتا اور حلق پھاڑ کر کہتا ہے میں تو انگار یاں ہی کہتا
ہوں، یہی دست ہے انگارہ سے انگار یاں... اگر
چنگار یاں صحیح ہے تو انگارہ کو چنگارہ کیوں نہیں کہتے...
نہیں... ہونا یا۔
جمید نے اُسے دیکھا۔ وہ گیلری کی ایک میز پر تنبہا تھا۔
وہ بڑے دلکش امزاز میں ورنی بیگ بلاتا ہوا اُس کی طرف
پڑھا اور جب اُس کے قریب ہنچ گیا تو قاسم نے منہ
کھول کر اس طرح پلکیں جھپکائیں جیسے کسی اتوک پکڑ کر ڈھوپ
میں بھدا دیا گیا ہو۔

”کیا میں یہاں بیہم سکتی ہوں؟“ جمید نے ملک کر پوچھا۔
اُس کی آواز میں نہ جانے کہاں کارس اور لوچ آگیا تھا۔
”نج... جی... جی یاں یا قاسم بو کھلا کر کھڑا ہو گیا، پھر
ایسا معلوم ہونے لگا، جیسے وہ میر پرسر کے بیل کھڑا ہوجانا
چاہتا ہو۔

”آپ بھی بیٹھئے نا“ جمید نے کہا، جو پہلے ہی بیٹھ گیا تھا۔
”نج... جی یاں... سب... بالکل... بالکل یا قاسم پچھے
ہٹ کر کر سی سنجھا لئے لگا۔ بھی ادھر پھکتا اور کبھی ادھر
اُس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور نتھنے چھوپ بچک
رہے تھے۔ شاید زندگی میں پہلا ہی موقع تھا۔ جب کسی
ٹکڑی سی لڑکی نے خود ہی اُس سے اُس کے ساتھ بیٹھنے
کی اجازت طلب کی تھی۔
”میں کہتی ہوں تو شریف رکھیے نا، یا اگر ہم اجھیں ناگوار

ہنچ نیند سے جاگی ہے۔ بڑے بڑے چھوٹوں والا سینگ گاؤں
اُس کے مذوق حسم پر ہیت حسین لگ رہا تھا۔
”میں یہ اعلاء دینے آیا ہوں کہ میں نے کتنے کی لاش

جبلادی ہے؟“
”کیوں؟“ موناچونک سی بڑی۔
”تُنِیں ملپڑ اور ایڈی اُسے کنویں میں نہیں پہنچنک سے۔
انھوں نے اتنی بیل بھے کہ دو قدم بھی نہیں چل سکتے۔
انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اُسے پہنچ دیں گے...
میں خود نہیں پہنچنک سکا۔ اپنے بائس سے کہہ دو کہ میں آدمی
کی لاش برداشت کر سکتا ہوں، لیکن کتوں کی لاشیں میرے
بس سے باہر ہیں“۔

”ملکر تم نے اُسے جلاکیوں دیا؟“
”پتا نہیں وہ لاش کسی تھی؟“ اگر وہاں پڑی رہ جاتی
تو معلوم نہیں کس قسم کے نتائج برآمد ہوتے۔ یہی سب
سوچ بھجو کر میں نے اُسے فناخ ہی کر دینا مناسب سمجھا
اور وہاں اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اب مجھے دوسرے آدمیوں
کا استسلام کرنا بڑے گا۔ کیونکہ وہ تینوں تو شاید اب تک
حوالات میں ہنچ چکے ہوں۔ اچھا اب میں جارہا ہوں؟“
ناگرا وابسی کے لیے مڑ گیا۔ اُس نے یہ گفتگو وہیں ہڑے
کھڑے کی تھی۔

آر لپھنوں ہنگامہ ہوا اور آن واحد میں فرو بھی ہو گی
کوئی خاص بات نہیں تھی۔ یمن شربانی آپس میں بڑے تھے۔
ان سیں پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ کسی نے بھی نہ پوچھا کہ ان کے
ساتھ تو عورت تھی کہاں گئی۔ ایڈی لفٹی اور ملپڑ سے بہتیرے
واقف تھے اور یہ بھی بہتیروں نے دیکھا تھا کہ ہنگامے کے
وقت اُس میز پر کوئی چوتھا آدمی نہیں تھا۔

بس یہ ہنگامہ دانشگ مال ہی تک مدد و درہ۔ یک مشین
مال والوں کو اس کی بحر بھی نہ ہو سکی، ملکر محمد غافل توہین تھا۔
وہ اس وقت تک ہیاں کی تفریقات میں مشغول نہیں ہوا
تھا، جب تک اُس نے ناگر کو ڈانشگ مال سے نکلتے نہیں
دیکھ لیا تھا۔

اس کے بعد اُسے کسی شکار کی لاش بھوپی۔ وہ آج جی
بھر کے تفریخ کرنا پاچتا تھا۔ کیونکہ فریدی کی وجہ سے اپنی
ایک دوست کو وقت دے دینے کے باوجود بھی بالی سرکل

موز رائیکل رونگی اور اتر کر اندر چلا گیا۔ واپسی پر اُس کے
پانچ دن پیڑوں کا ایک ٹن تھا، اسے اُس نے موز رائیکل
کے کیر پر برد کر جھپڑے کے قسم سے کس دیا اور پھر جل پڑا۔
موز رائیکل کی رفتار بہت تیز تھی۔

اب اُس کا رنج پڑانے شہر کی طرف ہو گیا تھا۔
پڑانے غہر ہنچ کر اُس نے نادر محل سے کافی فاصلے پر
موز رائیکل چھوڑ دی اور نہ تنہ میں پیڑوں کا بُن شکا نے بھوپی
نادر محل کی طرف چلنے لگا۔
چاروں طرف سنا ٹاٹا تھا۔ سر دیوں کی راتیں تھیں، اس
لیے گیارہ نجی ہی ایسا معلوم ہونے لگا تھا، جیسے آدمی سے
زیادہ رات گزر گئی ہو۔

وہ نادر محل کے قریب ہنچ کر پھر ز کا اور ادھر ادھر
دیکھنے لگا۔ یہاں بھی ہر طرف سنا ٹے کی خمراں تھیں۔ اس پاس
کے کسی آوارہ کتنے بھی آواز نہ نکالی۔
وہ صدر دروازے کے قریب ہنچ کر کھلایا۔ یہاں ایک
بڑے سے سیاہ رنگ کے کٹے کی لاش موجود تھی۔ اُس سے
نے نہایت اطمینان سے پیڑوں کا بُن اس پر خالی کر دیا اور
پھر جلد قدم چمچے ہٹ کر ایک دیا سلانی ٹھپٹی اور لاش کی
طرف اچھا دی۔

یک لخت روشنی کا ایک جھما کا ساہوا اور لاش
دھڑا دھڑا جعلنے لگی۔
پھر موز رائیکل تک پہنچتے پہنچتے اُس کے پھیپھڑے
دھونکنی بن گئے۔

وہ سید عالمونا کر سنی کے فیٹ میں آیا۔
وہ شاید سوچکی تھی۔ بار بار گھنٹی بجانے پر تھوڑی دیر بعد اندر
کچھ ہٹھڑا ہٹ سنا ٹی دی اور پھر قدموں کی آوازیں ایں
بودروانے کے قریب اگر ختم ہو گئیں اور ایک ملے کے
بیٹھنے لگے۔

”کون ہے؟“ اندر سے مونا کی بھرتانی ہوئی سی آواز آئی۔
”ناگر...“

”کیوں؟“ پچھے میں حیرت تھی۔ اودہ بھروں ایک منت
ذرا میں ملپڑ گاؤں ڈال لوں“۔ پھر تقریباً میں منت بعد
دروازہ کھلا اور ناگر نے محوس کیا کہ وہ اس قیل و قلنے میں
چہرے پر پفت کرنا اور ہونوں پر اسکے پھر زانہیں بھول
تھی۔ ویسے اُس کی خمار آؤ د آنکھیں صاف بتار ہی تھیں کہ وہ

کی بھی جس نے اپنے ٹھوڑے کو ذہن کے جہاں کو کھلا دیا تھا۔
”میں کہتا ہوں، تم دہل کیوں نہیں گئے؟“
”وہل... سے زیادہ... یہاں... نج... مڑا آرم... نج...“

”مت بکوں کرو“، مگر بیعتا ہوا بولا۔ کان کھول کر
نہ... اگر تھیں سمجھدی سے کام کرنا ہے تو کرو، اور نہ جنم میں جاؤ۔
”اچھی بات ہے“ پہنچ نے آنکھیں بچاڑ کر کہا۔ ہم جنم میں
چل جائیں گے... آج ہی چلے جائیں گے۔ اب چلے جائیں گے۔
”جمنم... میرے چھانے بولنی تھی... سام مجھے یا فرنی میز پر
لائھما دکر بولا۔“ تم... نج... دہل کا سے... جاؤ گے۔

ابے... جا... پہنچ نے ماقبل ہلاکر کہا۔ تیرے چھا کے
پاس تو پہنچ کوڑی بھی نہیں تھی۔ میرے باپ کے ثراب خانے
میں پڑا رہا کر تھا۔ وہ بتوائے کا جنم... ہینہ۔

”ابے... چوپ... چھوڑ کی او لا۔“ تیرا باپ دھکے
کھاتا پھرتا تھا۔ اُس نے پہنچ کو مکونساد کھایا۔
”اٹے ٹوٹی“ ایڈی اُس کا شاذ پکڑ جھوڑتا ہوا بولا۔ ہفل
میں رہو۔ میں اس کے باپ کی بات عزت کرتا تھا۔ زبان
بند کرو۔

”تم... نج... میرے چھا... کی عزت کیوں نہیں کرتے تھے؟“
لُٹنی جھکا دے کر اُس کا ماتھا پنپنے شانے سے ہٹاتا ہوا بولا۔
”اس کی عزت کرو... وہ میرا... نج... چھا تھا... متحالا باپ
تھا... ساری دنیا کا باپ تھا“۔

ناگر جنڈ لئے انھیں ٹھوڑا تارا، پھر احمد گیا۔ شاید اُس
نے یہ سوچا تھا کہ اُن سے ہوش مندی کی توقع فضول ہے۔
عین ممکن تھا کہ اُن کے درمیان میں لاخاپانی کی بھی نوبت
آجاتی۔

آمد و رفت کے دروازے کے قریب ہنچ کروہ رُکا
اور ایک بار پھر پیٹ کر اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ میز اُنہیں تھا۔
تھی اور وہ تینوں ایک دوسرے سے گھنے ہوئے تھے اور
پھر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ناگر جپ چاپ باہنکل آیا۔
اُس کے ہونٹ سختی سے بچپنے ہوئے تھے۔ شاید وہ بہت
غصے میں تھا۔

کیا وہ میں ہنچ کر اُس نے موز رائیکل سنبھالی اور ایک
طرف چل پڑا۔ کچھ دیر بعد اُس نے اسکے ٹھوڑے بیٹھا دیا تھا۔

ہوتومیں پسلی جاؤں؟

” نن... نہیں... ارسے نہیں... ملیٹھیے... بھائی صاحب... ادغ... ادغ... مطلب یہ کہ... جی مال؟ ”
قاسم دھرم سے گرسی پر بیوچ گیا۔
حمد زنشی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ قاسم
کا بڑا حال تھا۔ بھی وہ اس کی طرف دیکھتا اور بھی بوکھلا کر
بغیض جانشینی لگتا۔ حمید نے خندی سانس لی اور آہستہ
سے بولا۔ ” میں... آپ کو کتنے دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔
آپ کے متعلق میں نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے، مجھے آپ
سے ہمدردی ہے۔ آپ سیئھ عاصم کے لڑکے ہیں۔ آپ
کا نام قاسم ہے۔ آپ کی شادی ایک ایسی لڑکی سے کردی
گئی ہے، جو آپ کو پسند نہیں کرتی۔ ”
” جج... جی مال! ” قاسم بھراں جوںی آواز میں بولا۔ ایسا
معلوم ہو رہا تھا، جیسے اب وہ رو دے گا۔

” مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ اچھا یہ بتائیے آخر مجھے
کیا پڑی تھی کہ میں نے آپ کے متعلق اتنی معلومات فراہم
کر دیں؟ ”

” رخ... خدا آپ کا بھلاکر سے! ” قاسم کو اس کے علاوہ
اور کوئی جواب نہ سُوجھا۔

” حمید پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر سکراہت
تھی اور وہ قاسم کو بڑی میٹھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
” آپ کتنے اچھے ہیں مجھے کہنے اچھے لگتے ہیں۔ ” اس
نے کچھ دیر بعد کہا۔

” قاسم ہٹکا بکارہ گیا اور اب تو وہ بالکل ہی گونگا ہو
گیا تھا۔

” میں اکثر آپ کو خواب میں بھی دیکھتی ہوں۔ آپ کتنے
بانکے سیلے ہیں؟ ”

” قاسم نے بوکھلاہست کے عالم میں سوچاہ اسے بھی
بچھونے کچھ بولنا، ہی چاہیے، مگر جو یہ کیا؟ ظاہر ہے، اسی
موڑ سایکل اسی سڑک پر مرتکی جس پر آر لچنگ عمارت
واقع تھی۔ تھوڑی دیر بعد، وہ آر لچنگ کے داشنگ ہال میں
داخل ہوا۔ یہاں حالات معمول پر آچکے تھے، لیکن داشنگ
ہال میں وہ لڑکی نہ دکھائی دی۔

” ناگرنے سوچا ممکن ہے، وہ چلی ہی گئی، ہو۔ دیسے
بھی یہ بات سمجھ میں آئے والی تھی کہ اگر وہ کسی قسم کی سازش
لائق ہوں... بالکل چمار ہوں... اور رر... ہوف... یعنی

ک جبیش ہوں... اف فوہ... مطلب یہ کہ... اللہ فلم جب
بھی آئینہ دیکھتا ہوں۔ بالکل دھوپی معلوم ہوتا ہوں...
ہست تیرے کی سب غلط! ”

” قاسم نے مجنلا کر دنوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبایا
اوے شدت سے احساس ہو گیا تھا کہ اس نے ردمیں اچھی
خاصی بکواس کر دیا ہے۔ ”

” ہیلیو! ” اس نے مادھقہ پیس میں کھلاہ اٹ ازنگ۔
” میری کوئی کال؟ ”

” جی مال! ” دوسرا طرف سے بھراں جوںی سی آواز
آنی۔ ” تھری تھری ایڈ سکس ناٹ پر رینگ کر کے صرف
اپنا نام لھیجی۔ ”

” کیا ہم غیر علیکی تھا؟ ” ناگر نے پوچھا۔
” جی مال... غیر نکی ہی تھا۔ ”

” شکریہ! ” ناگر نے کھا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔
اس کے بعد اس کے بتائے ہوئے بمنڑاہل کیے
دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

” ناگر...! ”
” گڑ...! ” دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ” تم ہبت ذہین
ہوناگر اسی لیے میں تھیں ہبت اہمیت دیتا ہوں اور
بھی وجہ ہے کہ میں پہلی بار قم سے براہ راست گفتگو
رہا ہوں۔ ”

” شکریہ جناب! ” ناگر نے ہبت بُرا سائزہ ناک کہا۔
” مجھے ہونا سے اطلاع مل چکی ہے۔ تم نے سچ مجھ عقل
مندی کا ثبوت دیا ہے۔ اُسے ضائع کر دینا ہی بہتر ہوا۔ ”

” مگر تھارے سا تھیوں کا کیا بنا؟ ”
” وہی بوجونا چاہیے تھا۔ غالباً آپ سمجھ کئے ہوں گے۔ ”

” تم کہاں سے بول رہے ہو؟ ”
” آر لچنگ سے! ” ناگر نے طویل سانس لے کر کہا۔ ” اب

میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ان سے مزید حماقتوں ہوں میں تو
کیا مفروت ہو گی؟ ”

” اس کی پرواہ کرو! ” دوسرا طرف سے بلکے سے قبیلے
کی آواز آئی۔ ” اگر انھوں نے کوئی بیان دیا تو اس کی وقت
بھی نشکی جھونک سے زیادہ نہ ہو گی یا پھر وہ پاکی قرار
دے دیے جائیں گے؟ ”

” جی مال، میں بھی ہی سوچ رہا ہوں۔ ملائی دیکھیے ابھی
ਨوں پر ہی تھہریے گا! ”

” کیا مطلب؟ ”

” 134 ”



”اُف... فیہا...“ قائم پھر کر کا مل۔
”روتے کیوں ہو۔ نخست کیوں پھیلاتے ہو؟... دو یہ
تمیرا بیدا۔
”مانتے... مانتا ہاں...“ قائم روشن کے سے انداز میں
ہنسا تھا۔

”یہ ستاروں کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ ہمیشہ تھیں بدیاں
کرتی رہوں گی۔ تین...“
”ہارغ... غشت... کھال اُتر جائے گی... پیاری قائم
کا الجھم صدر جہد در دنک تھا۔

”پر وامت کرو۔ یہ لمحات زندگی بھرا یک حسین
یاد گا کی جیشیت رکھتے ہیں مایہ خوش نصیب وگ دُنیا
میں کہاں ملتے ہیں جن سے عورتیں اٹھا ری عشق کریں... ہنسو
... قہقہے لگاؤ۔ تم بڑے آدمی ہو۔ چار“

”آغ... بم... ارے تو ذرا آہستہ مار ونا۔“
”مجبوری ہے۔ یہ نہیں جامیتی کہ زندگی بھر ہم میں جُدماں
ہو۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر نورتھے ذُنْدانِ جمایا گیا تو شیطان ہم
پر حاوی ہو جاتا ہے اور اس کے بعد جعلی لازمی سُبھری۔ یہ
ڈنڈے اس وقت دراصل شیطان ہی پر پڑ رہے ہیں...
پاشخ...“

”ارے جاؤ“ قائم جھلائیت میں تقریباً ناج کر بولا۔ کھال
میری اُتری جاہی ہے اور ڈنڈے شیطان پر پڑ رہے ہیں۔
ٹھینگے پر گئی ایسی محبت... اب مت مارو۔“
دفعتاً حمید سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور جسک سمجھ کر رونا
شرط کر دیا۔

”ارے... ارے...“ قائم بوجھلا گیا۔
”نهیں مجھ رونے دو۔ میری تقدیر پھوت گئی۔ ازبکستان
کی کوئی بڑی اتنی بد نصیب نہ ہو گی کہ جس کے مجبوب نے اٹھا
محبت کرنے سے اُسے روک دیا ہو۔ اب میں کیسے زندہ
رہوں گی۔ تم کل صبح کے اخبارات میں دیکھ دینا کہ ازبکستان
کی ایک لڑکی جابرہ زبرہ کا کمر گئی۔“ حمید سپت پیٹ کر
ہیں کر تارہ۔

”اچھا اچھا رہو نہیں۔ چلو مارلو، میں نہیں دس درجن۔
اب چوپ بھی رہو۔ خدا کے لیے... میرا لمحہ اُٹ پیٹ...“
رہا ہے۔“
”یاخدا ایسا شکر ہے: حمید انتہا بُوا در... اک آواز میں بولا

ایک دسرے پر جان دیتے ہیں۔ چلو اپ اپنے ماں تھا اور اپا محاکر
اے ڈھراو!“
قائم تے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور
ہٹکانے لگا۔ اے سس... ستاروں... باہر نکل کر مجھے... مجھ
ہڑپ کر جاؤ... ارے نہیں... هش... وہ کیا تھا سلا... کان
گھٹائیں... بلائیں... ارے باپ رے... سب سالا بُغول گیا۔
ارے وہ کیا تھا... مہماں آجائے گا سالا تھوڑی دیر میں گواہی دیتے۔
”شٹاک۔“ ایک زور دار ذُنْدان میں کوٹھوں پر پڑا۔
”ارے باپ رے! وہ بے تھا شاد بڑا کر چل پڑا۔
”کہتے ہو پیدا ہے۔ یہ لمحے پھر لوٹ کر نہ آئیں گے“ حمید
نے پیار بھرے پیجے میں کہا۔
”ابے تو مارتنی کیوں ہو؟“ قائم جھلکا کر بولا۔
”میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ ہم میں سے ایک کو
اٹھا ری عشق ضرور کرنا چاہیے۔ محبت کا ہی دستور ہے۔ تم کہتے
ہو کہ تمھیں اٹھا ری محبت کرنا نہیں آتا۔ اس لیے میں نے
شروع کیا تھا۔ ازبکستان کی عورتیں اسی طرح اٹھا ری عشق
کرتی ہیں۔ وہاں کامبھری روان جبے!“
”تو کیا بھی اور کرو گی؟“ قائم نے کراہ کر مُردہ سو، آواز
میں بوچھا۔

”کم از کم میں درجن ذُنڈے“ حمید نے الہیناں سے کہا۔
قائم کے دیوتا کو چکر گئے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ
رہا۔ سفا کا اُسے کیا کرنا چاہیے؟ ن تو وہ اُسے اٹھا ری عشق سے
روک سکتا تھا اور نہیں ہی جا ہتا تھا کہ اس کے کوٹھوں کی کھال
اُتر جائے۔ بہر حال جب کچھ بھی نہ بن پڑا تو وہ دل ہی دل
میں ازبکستان والیوں کو کالیاں دینے لگا۔

”ارے تم کیا سوچ رہے ہو پیارے؟ اُخداو!“
حمید نے قائم کو چھوڑ دالا۔
”اُخدا تھا ہوں، مگر تم جو کچھ بھی کہہ رہی تھیں۔ وہ مجھ
زہانی یاد نہیں ہوتا۔“
”پر وامت کرو!“ حمید بول پڑا۔ تم کچھ بھی نہ کہو۔ بس
چپ چاپ ہاتھ اٹھلنے کھڑے رہو۔ میں خود ہی یہ سب
کچھ دہراتے ہوئے تین درجن ذُنڈے پرے کر لوں گی!“
”مر گئے!“ قائم کی آواز میں بلا کامبھر د تھا۔
”میں تم پر جان دیتی ہوں... ایک...“ حمید نے کہہ

جو قائم کے معیار عشق پر پوری اُترتی تھی۔
کٹانی کے میدان میں حمید نے کارروکتے ہوئے کہا۔ ”آخر
آٹیٹے سرتاچ من!“ عشق رلانے کے لیے اس سے مناسب اور
جگہ کوئی نہ ہوگی۔“
ایسی یہ تکلف لڑکی آج تک قائم کی نظروں سے نہیں
عمری تھی اس لیے کار سے آخرتے وقت ایک بارہ پھر اس پر
بد توسی کا دورہ پڑا اور یہ اتنا شدید تھا کہ وہ مٹھے کے بل پنجے
چلا گیا۔
”حمد نے اس پر چھلانگ لگانی اور دبون چکر بیٹھ گیا۔
”ارے... ارے... یہ کیا اُنھیں اُنھیں“ حمید نے بوکھلائے
ہوئے ہیجے میں کہا۔ قاسم اونڈھا پڑا ہوئے ہوئے کراہ رہا تھا۔
”ارے اُنھیں بھی!“ حمید نے کہا۔
”کیسے اُمھوں؟“ قاسم نے مردہ سی آواز میں کہا۔ ”آپ تو
چڑھی بیٹھی ہیں!“
”ارے تو یہ!“ حمید اس پرے اُختنا ہوا بولا۔ سچ مجھ میں
محبت میں بالکل دیوانی ہو جاتی ہوں!“
”قوئی... کوئی بات نہیں... ہی ہی ہی ہی!“ قاسم نے
بدقت تمام اُنھر کر کہا۔
”تھوڑی دیر تک دونوں ہی خاؤش رہے پھر حمید نے
کہا۔ ”میں ازبکستان کی رہنے والی ہوں!“
”بڑی خوشی ہوئی!“ نامہ بولا۔
”مجھ سے محبت کرو!“
”سچ... جی ہاں!“
”لوکر ونا... تم تو کسی اُداس خچر کی طرح خاموش کھڑے ہو!“
”ہی، ہی، ہی... کیسے کروں محبت؟“ قاسم دانتوں میں
انکلی دبکر ہنسنا۔
”لہم اُت، تم اتنا بھی نہیں جانتے!“ حمید نے حیرت ظاہر
کرتے ہوئے گہا۔ اچھی بات ہے تو پھر میں ہی شروع کروں گی۔
مگر ہم ازبکستانیوں کے رحم و رداچ بالکل مختلف ہیں۔ مرد
کے طریقے الگ ہیں اور عورت دوسری طرح اٹھا ری محبت کرتی
ہے۔ اچھا چلوا جو کچھ میں کہتی ہوں اسے غورتے سنو بھر تھیں جن
وہی دُہر انا پڑے گا۔ اے ستاروں تم کچھ بھے ہو، باہر آؤ۔
میں تھیں پکارتا ہوں... افریدی کالی گھٹائیں جو تمھیں ہڑپ کر
گئی ہیں۔ تھوڑی تھی روفہ جنت میں جم ان میں آنکھ مچوں کھینچتے
رہو۔ ابھی کچھ دیر بعد تھیں گواہی دینا پڑے گی کہ ہم دونوں
خیال ہی فضول تھا۔ کیونکہ لے جانے والی ایک لڑکی تھی ایسی

فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے سرکو خفیف سی ہنپش دی، پھر بولا تھم نے دستلے ابھی تک نہیں آتا رہے۔ میرا خیال ہے، میری بیتے وقت جلد اپنے ہاتھ کا دستانہ نہ آتا رہو گا۔ ” وہ... وہ... دیکھئے۔ میں نے سوچا کہ ان یعنیوں کو ہیں کیوں نہ روک لوں؟“

” کیونکہ یہ ایک شاندار کارنامہ ہوتا۔“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ تھم انھیں ولماں روک لیتے اور شیئے کے طور پر زمین کی گردش روک جاتی۔ نہ بسح ہوتی نہ شام ہوتی۔“ ” دیکھئے آپ سمجھے نہیں؟“

” ناں... آں یا فریدی اٹھ کر ٹھلٹھلنا ہوا بولا۔“ متحیں ہمیشہ یہ شکایت رہتی ہے کہ میں تمہارے محیط العقول کارناموں کو سمجھنے ہی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ واد کیا دوں گا؟“

” حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اٹھ کر تمہاروں کی پا فوق اور پائپ تلاش کر رہا تھا۔“

” جانتے ہو۔ تمہاری اس حرکت سے مجھے کیا نقصان پہنچا ہے؟“

” فائدہ ہی کب پہنچا ہے۔ آپ کو میری ذات سے یہ حمید جلا گیا۔“

” بکواس مت کر دیتم نے میرے یہ سارے راستے بند کر دیے ہیں؟“

” جب میں پوری طرح حالات سے آگاہ نہ رکھا جاں گا تو ہی ہو گا۔“

” تمہیں حالات سے کیا سروکار؟ میں نے جو کام تمہارے پسپرد کیا تھا۔ وہ کچھ ایسا پتھیدہ نہیں تھا کہ تمہارے یہ سوال پیدا کرتا۔ صرف میں اُدیوں کی نگرانی کرنی تھی۔“

” اگر وہ تین مختلف راہیں اختیار کرتے تو؟“

” یہ بھی بکواس ہے۔ میں نے تمہیں پہنچے ہی سمجھا دیا تھا کہ اس وقت ان کی راہیں مختلف نہ ہوں گی۔“

” جب اتنا کچھ جانتے ہتھ تو نگرانی کی ضرورت ہی کیا تھی؟ یہ کام ایک سادہ بس اس والا بھی کر سکتا تھا۔“

” یہاں قم اس سے بھی بدتر ثابت ہوتے ہو؟“

” حمید اماری سے مباکونا یا ذمہ نکال رہا تھا۔ اچانک اچھل کر پتھیہ بٹ گیا اور اس طرح کپڑے جھاٹنے لگا، جیسے کوئی تیرفتار کیڑا آستین کے راستے اور چڑھا یا ہو، پھر اس نے قمیں آثارِ ذمی اور اسے جھٹکنے لگا۔“

” حمید چھاٹے سانپ... سانپ... پچائیے... پچائیے۔“ چھوہ اچھل کر فریدی سے انگرایا فریدی نے اسے اپنے ہاؤں میں جکڑا۔ حمید کی آنکھوں دہشت سے چھلی ہوئیں۔ ” کیوں؟ کیا بات ہے؟“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

” سس... سانپ!“ حمید نے ہمکی سی سکاری لی اور اس کا سفر فریدی کے ہائی یا زوپر ڈھلک گیا۔

” کیا تم ہوش میں ہو؟“ فریدی نے پھر پوچھا۔

” نم... میں ہوش میں ہوں میرا دم گھٹ رہا ہے خدا کے لیے چھوڑ دیجیے!“ حمید نے ایسی مضمحل آواز میں کہا، جیسے برسوں کا ہمایا ہو۔

فریدی نے اسے آرام گرسی پر دُال دیا۔ حمید کی آنکھوں کی کیفیت اب کچھ ایسی تھی، جیسے ابھی جاگا ہو۔ فریدی خاموش بیٹھا رہا۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔

” باقحوں میں جاگر بس تبدیل کرلو!“ فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

حمدید کچھ کہے بغیر اٹھ کر باقحوں میں آیا۔ اب اس کا ذہن کبھی درستگ پر سکون تھا، لیکن وہ الجھادے والے خیالات سے دامن بچانے کی کوشن کر رہا تھا۔

حمدید نے زناہ بس اتار کر سلیمانگ سوٹ پہنما اور تھوڑی درستگ آئینے پر نظری جملے رہا۔ اس کے بعد کمرے میں وہ سکنات کا جائزہ لے رہا ہے۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا تھا شاید اس ہوش میں ہو؟“ لیکن اس کے ہے سے غصہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔ حمید نے تھوک نیکل کر جواب دیا، جیسے بلااؤز کے نیچے اس کی پشت پر اچانک اسے محسوس ہوا، جیسے بلااؤز کے نیچے اس کی پشت پر کلپلا۔ اور وہ اچھل ہٹا اور اس کی یہ لوکھلاہت اسے گرسی کے نیچے لانی۔ وہ منہ کے بل فرش پر گرا تھا اور اس کے سلسلے سے عجیب قمکی آوازیں نیکل رہی تھیں اور وہ اسی انداز میں اپنے کپڑے نوچ رہا تھا، جیسے خود کو سانپ سے بچان پا رہا ہے۔

” مگر تم شاید گارڈی روک کر بے ہوش ہوئے تھے؟“ حمید نے سڑک کر کس کرتے والی کار کے متعلق اسے بتایا تھا۔

فریدی جذلے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا، پھر بولا۔ ” یا اس گارڈی سے کوئی غیر نمکی بولا تھا؟“ میرا خیال ہے کہ یہ جو مشرقی نہیں تھا، حمید نے جواب دیا۔

” حمید کو بڑا جلا کیتے کہا اور پھر حمید کو بھی غفرناگہ کیا اور اس کی بھی زبان چھپل پڑی، لیکن میں اسے اتنا ہوش تو تھا ہی کہ وہ کسی عورت کے میک آپ میں ہے۔ ہوش تو تھا، مگر نہ جانے کیوں چیختے چھینتے اس کا دم تھے لگاتھا۔ دوسرا گارڈی آگے بڑھ گئی، لیکن حمید چھینتا ہی رہا۔ اب وہ محسوس کر رہا تھا کہ اسے اپنی آہاز پر بھی قابو نہیں رہا اور وہ اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہونے لگی ہے... اور پھر اسے اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ وہ بعد کی پانیں یاد رکھ سکتا۔“

□

حمدید کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کتنی درستگ بے ہوش رہا تھا۔ اب ہوش میں آتے ہی اس نے محسوس کیا کہ وہ اب بھی اس کا روانے پر گرج برس رہا تھا، جس کی دراسی نظر میں دوسری دنیا کے سفر پر روانہ کر دیتی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، لیکن اسے پہت زیادہ بوکھلاہت میں نہیں بنتا ہوا پڑا، کیونکہ وہ اپنی ہی خوبی کے ہمراہ زنانہ بس اب بھی اس کے جسم پر موجود تھا، لیکن مصنوع، اور سر پر نہیں تھے۔ نہ جانے کیوں اسے اساصوسوں ہو رہا تھا، جیسے کمرے کی دیواریں اسے پیس ڈالنے کے لیے اپنی جھگوں سے کھسک رہی ہوں۔ یک بیک وہ پلنگ پر سے اچھل کر بجا کا اور پھر دروانے کے قریب رُک کر بہتر کو اس طرح گھوڑنے لگا، جیسے کچھ درپہنچا اس کے نیچے سانپ کلبلا ہے۔

شاید اس نے ہی محسوس کیا تھا۔ وہ پھر دیپے پاؤں بستر کی طرف بڑھتے ہگا اور یک لخت بستر مکھنگ کر دو ریپینک دیا۔ اب وہ ایک گرسی پر گھٹرا تو وہ کیسے جھکا بٹوا اس طرح بستر کو گھوڑ رہا تھا، جیسے سانپ نیکل کر بجا گئی۔ والائے پھر اچانک اسے محسوس ہوا، جیسے بلااؤز کے نیچے اس کی پشت پر کلپلا۔ اور وہ اچھل ہٹا اور اس کی یہ لوکھلاہت اسے گرسی کے نیچے لانی۔ وہ منہ کے بل فرش پر گرا تھا اور اس کے سلسلے سے عجیب قمکی آوازیں نیکل رہی تھیں اور وہ اسی انداز میں اپنے کپڑے نوچ رہا تھا، جیسے خود کو سانپ سے بچان پا رہا ہے۔

اتسے میں دروازہ کھلا اور فریدی اور داخل ہوا۔ وہ سلیمانگ گاؤں میں پہنچا ہوا تھا، لیکن ایسا نہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ سلیمانگ کے بڑے سکون سے حمید کو فرش پر تڑپتے دیکھتا رہا، لیکن پھر یک بیک اس کی آنکھوں میں استجواب کی لہریں نظر آئیں۔

” میں تو تم ہی تھی کہ اب مجھے یا تو عمر بھر کنواری رہنا پڑے گا یا خود کشی کرنی پڑے گی؟“

” اس نے پھر ڈنڈا اٹھا یا اور دھڑا دھڑا کام پر برملنے لگا، لیکن اچانک کسی نے چچے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ساتھ ہی گال پر ایک بھرپور ہاتھ بھی مارا۔ حمید لٹکڑا تاہم اسکی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا اور پھر اس نے فریدی کی آفاز سنی، جو کہہ رہا تھا۔ اب میں پچھلے دلور، کے یہ تھیں کسی پاگل خانے میں بند کراؤں گا؟“

” پھر اس معلوم ہوا جیسے حمید کو سانپ سونچنے کیا ہے۔ نہ تو اسے اس دخل اندازی پر غصہ آیا تھا اور نہ ہی یہ چانٹا ہی گران گزرنا تھا۔ ویسے داہمے گال کی اسی ہی کیفیت تھی جیسے کھال آوار کر پی ہوئی مرچیں چھڑک دی گئی ہوں۔“

” اے کون ہے؟ پھر دار یا قاسم دھڑا؟“

” بکواس مت کرو، گھوٹے کہیں کے یا فریدی نے کہا۔“

” کریم صاحب اسے باپ سے... نم... مگر آپ نے ماں کیوں... کیوں ماڑا؟“

” میں تھیں بھی ماڑوں کا، ورنہ خاموش رہو؟“

” خواہ... جان چلی جاتے؟“ قاسم دھڑا یا یکن... لیکن میں بتائے دیتا ہوں کریم صاحب! آپ نے اچھا نہیں کیا۔“

” حمید نے ان دونوں کو اب بھی دیکھا تو چچے سے کھسک گیا۔“

” نہہرہو!“ فریدی نے پلٹ کر کہا، لیکن کون سنتا ہے، پھر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخسہ کار تیزی سے راستہ طے کرتی رہی۔ ویسے حمید مژماڑا کر دیکھتا جا رہا تھا اور اس کی ہیڈ لائٹ بھی نظر آ رہی تھی، لیکن ایسا نہیں معلوم ہوا تھا کہ دوسری گارڈی کا دلائر اسے آئینے کے لیے کوشاں ہو۔

بھر اسے اپنے آگے ایک پچھے راستے پر بھی ایک گارڈی نظر آئی۔ یہ کچا راستہ سڑک کو کراس کرتا تھا۔ حمید نے احتیاطاً اپنی کار کی رفتار کم کر دی اور دوسری گارڈی کے سڑک پار کر جانے کا انتظار کرنے لگا، مگر اچانک دونوں گارڈیاں ایک دوسرے سے صوت ایک فٹ کے فالے پر رُک گئیں...

دونوں کے بریک تک رکراٹے نے لمحے لیتھ۔ دوسری گارڈی کا دلائر نظر آئیں۔

بھر اسے اپنے آگے ایک پچھے راستے پر بھی ایک گارڈی نظر آئی۔ یہ کچا راستہ سڑک کو کراس کرتا تھا۔ حمید نے احتیاطاً اپنی کار کی رفتار کم کر دی اور دوسری گارڈی کے سڑک پار کر جانے کا انتظار کرنے لگا، مگر اچانک دونوں گارڈیاں ایک دوسرے سے صوت ایک فٹ کے فالے پر رُک گئیں... دوسری گارڈی کا دلائر

"فریدی تشویش کرنے نظر میں سے اُس کی حرکت دیکھ رہا تھا۔
کیا مصیبت ہے؟" محمد بن رہنمای پتا نہیں کیا ہو گیا ہے؟
کیوں...؟ کچھ دیر پہلے مجھے ایسا حسن ہوا تھا، جیسے میرے بہترین
سانہ محسوس آیا ہو، پھر وہ سانپ نمیں کے نیچے پشت پر
کلبلا یا تھا، پھر اب... کیڑے سے ریختے ہیں؟"
چوبی ہجاؤ؟ فریدی نے تلخ ہمیں میں کہا۔ "تم قاسم کو
تلکیوں سے گئے تھے اور یہ کیا حرکت تھی؟"
صرف لفڑی کے موڑ میں تھا۔ "حمدت ہے محسنی سانشی۔
اگر میں اُسے بتا دوں کہ وہ تم تھے تو یہی رہے گی؟
کہا بھی نہیں بتایا۔ فریدی تھیں میں کہا۔ "تم قاسم کو
فریدی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو اب بتائیں گے کہ بھی نہیں ورنہ وہ مجھے زندہ تھے
چھوڑے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ آج اُس کی کھال گراؤں کا؟
اور میں محارے ساتھ اس سے بھی بڑا برتاب کرنے¹
دالا ہوں؟"

محمد تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا، پھر بولا۔ "دیکھے!
سب کچھ آپ کی مرمنی کے مطابق ہوتا، میکن میں آج کل ہذا
کی فکر میں ہوں۔ میں نے دراصل وہ میک آپ پہلے ہی کیا
تحار بعد میں آپ کی کال آئی تھی۔ میں نے سوچا جلوایک
چھپکلی۔ بیشش... شاید چھپکلی چڑھتی ہے یا
فریدی اُسے غصیلی نظر میں سے گھوٹتا ہوا کمرے سے
نکل گیا۔ محمد میں کے محسوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ کچھ دیر
بعد وہ نہ ہال ہو کر آرام کریں پر گر گیا۔

●

موذن نے پہت بڑا سامنہ بنا یا۔ اب اُس کی آنکھوں میں
خوف کی بجائے نفرت کی لمبیں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا،
جیسے وہ اس نامعلوم آدمی کے خلاف بکھر کر کے رہے گی، لیکن
تھوڑی ہی دیر بعد اُس کے چہرے سے تھکن سی نشاہر
ہونے لگی۔ اُس نے الماری کھول کر پورٹ کی بولن کالی اور
کلاس میں چار انگلی ناپ کر اندر میں چند لمحے زیجن شراب کی
سطح پر روشنی کا عکس رنگتی رہی، پھر اسے ایک گھوٹ
یں ہی حلق سے آتار گئی۔

سورج غروب ہو چکا تھا، لیکن باہر بھی اتنا جگہا
تحاکن بھلی کی روشنی پھیلاؤ نہیں اختیار کر سکی تھی۔ وہ کمرے سے
بالکنی پر آتی۔

پنج سڑک پر آدمیوں کا سیل غیم روان دوان تھا۔
اس نے اپنے قیڈ کے بلابر والی بالکنی پر نظر ڈالی اور
بے اختیار سُکرا پڑی۔ وہاں ایک لوتوں بڑے بے نیازانہ انداز
میں ھٹڑا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہے۔
ہو سکتا ہے کہ اس وقت اُس کے ذہن میں اُسی مقبول ترین
یہیں تھے، ہو شیدر ہو۔ ناگر کو آٹا کر دوکر وہ قسم کے آدمیوں کا
کوشش نہ کرے تھا اس سے صرف قون پر گفتہ کر سکتی ہو
اویں بھی یہاں تھے۔ میں کو شکست کی کوشش کر رہا تھا کہ مجھے غیر

پہنچا سے یہ پہاڑی میں تھی کہ وہ اجنبی مردوں سے ربط و منبسط
بڑھا تھا، لیکن اب لڑکوں سے ملنے پر بھی یہ بندی عائد کر دی
گئی تھی۔ وہ مونج رہی تھی کہ آخر وہ کس عنوان سے بے تھی انتیہ
کر رہے گی۔ کیونکہ وہ تو انھیں پہلے ہی لقین دلاچکی تھی کہ وہ
بہت گاڑھی محبت کرنے والی ہے۔ بہاروں میں کے فاصلے
پر بھی اپنے پڑانے ملنے والوں کو نہیں بھجوئی۔
وہ میک بیک چونکہ بڑی۔ باہر کوئی کال بیل کا بُن
دار رہتا اور اندر گھنٹی متواری چینے جا رہی تھی۔
"کون ہے؟" اُس نے قریب اک دروازہ کھولے بغیر پوچھا۔
"میں روزی ہوں۔" باہر سے ایک نسوانی آواز آئی۔
"جاو، چل جاؤ۔" مونا حلق پھاڑ کر چھپا۔ "یہ اس وقت
نشے میں ہوں تھیں پھاڑھاوں گی پھر تھاری دادی اپنی
قبر سے انٹھ کر بھاگی چلی آئیں گی۔"
وہ خاموش ہوئی، لیکن اُس کی آنکھوں میں آنسو تیر
رہے تھے۔ باہر بھی ستانہ ہی تھا، پھر اُس نے لومتے ہوئے
قدموں کی آوازیں سنیں اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ
ڈھانپ لیا۔

■

"تم آخر بہوش کیسے ہو گئے تھے؟ یہ تو بتاؤ؟" کرن
فریدی، حمید سے پوچھ رہا تھا۔
"خدایاں بے بہوش ہو گیا تھا۔ آپ اسے مکر نہ سمجھے...
غالباً آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مجرمے چونکہ ایک بڑی غلطی سرزد
ہو چکی تھی۔ اس یہیں نے بے بہوشی کا ذھونک رجایا تھا۔
میں کیا بتاؤں مجھے خود بھی نہیں معلوم کریں کیسے بے بہوش ہو
گا تھا، مگر تھہر پر دیکھی۔"

حمدیدا ہے ماں تھی کی آستین اٹھنے لگا۔ بازوں نگاہوں جانے
یہ اُس نے ایک جگہ انگلی رکھ کر اسے ہوئے ہوئے دباتا ہوا
لولا۔ یہ دیکھیے یہاں ایک مجموعی سی گلی ہے اور اس میں ہمکا
سادر دھی ہوتا ہے؟"

فریدی اُس کا بازو پکڑ کر دیکھنے لگا اور پھر اس پر نظر
ہٹانے بغیر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ تو بخشش کا لفڑا ہے۔ سو فی
صد ہی بات ہو سکتی ہے؟"
کیا مجھے یہاں لا کر بخشش دیا گیا تھا؟" حمید نے پوچھا۔
"ہرگز نہیں میں یہی سمجھتا رہتا تھا کہ تم نے مجھے بے وقوف
ہٹانے کی کوشش کی ہے اور یہ حرکتیں تم سے اسی سے سو زد

ہو رہی ہیں کہ اُن میں الچھ کر میں اپنا غصہ بھول جاؤں؟

" تو پھر... اگر یہ انجکشن کاشان ہے؟ "

• سُہر و فریدی اسند اسکار بولا یہ کیا تم اُس کار والے

کی شکل دیکھ کے تھے جس نے سڑک کراس کرنا چاہا تھا۔"

" نہیں میں اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ ماں، اب آپ

رہی ہے؟ "

■

محمد کامران عجیب تھا۔ شہر کے بہترین داکٹر فل نے اُسے دیکھا، لیکن مرض کے متعلق کسی نتیجے پر نہ ہبھج سکے۔ یہ بات دوسرا ہے سُہر کو وہ اسے مالینویاں قسم کی کوئی ذہنی بیماری قرار دے ہے تھے۔ علماء کی بتا پر ایک منموں آدمی بھی بھی راستے قائم کرتا، مگر وہ سارے داکٹر اس بات پر بھی تتفق تھے کہ ذہن سے منع کیا تھا کہ وہ دراغونہ کیا کرے۔ دیسے بھی محمد اپنی فتنے داری پر مزا تو ہرگز پسند نہ کرتا۔

درنہ پہلے تو وہ بھی سمجھا تھا کہ محمد کسی دوسری شرارت کا میلان مرتب کر رہا ہے۔ اُسے اس پر سمجھدی سے غور کرنے پر بے حد ہو جانا پڑا کیونکہ محمد نے اس قسم کی بوکھلاہٹ کا منظاہرہ ایک بھری پُری سڑک پر کیا تھا۔ پہلی شام وہ مدد کی ایک فٹ پانچ پر جل رہے تھے۔ غالباً فریدی شانگ کرنے نکلا تھا۔ اچانک محمد بھڑک کر بجا کا اور ٹریفک کی پرواکیے بغیر سڑک کے وسط میں بجا گتا چلا گیا۔

استفسار پر اُس نے بتایا تھا کہ ایک بس فٹ پانچ پر چڑھائی تھی، اگر وہ ذرا سابھی چوکت تو کچل کر رہا جاتا۔ یہ دو تین دن بعد ٹریفک کے کچھ ایسے حادثات ہوئے جن سے سارے شہر میں سخنی پھیل گئی۔ اسی طرح کچھ لوگ فٹ پانچوں پر چلتے چلتے بھڑک کر بجائے رکھ اور بدحواسی میں بسوں ٹاموں اور کاروں کی زد میں آگز ختم ہو گئے تھے۔

پھر پرانے شہر سے اطلاع ملی کہ وہاں کی تقریباً انصف آبادی وہم اور مالینویا کا شکار ہو گئی ہے۔ لوگ رات گئے گھروں سے بکل کر بجائے ہیں اور جو صریں انگ سماں بجائے ہی چلے جاتے ہیں۔ اکثر دیواروں اور درختوں کے تنوں سے ملکاکر زخمی بھی ہوتے تھے۔

مکافل کی اوپری منزلوں پر رہنے والے بے تحاشا دوڑتے ہوئے زینوں پر آتے اور ان میں بوکھلاہٹ بیرون کو تکلیف دیے بغیر ہی نیچے میں آتی۔ اس طرح کئی آدمی... نہیں ہی سے ٹھہر دھو بیٹھتے۔

اس وہاں ہیجان نے سارے شہر کو سراسیمہ کر کے رکھ دیا دیے یہ وہاں بھی نئے شہر میں نہیں داخل ہوئی تھی، نئے شہر میں شاید محمد ہی اس کا شکار بُوا تھا یا ہو سکتا ہے دو چا۔ اور بھی رہے ہوں شہر کے جدید حصے میں جو حادثے ہوئے ملن پھاڑ پھاڑ کر چخ رہا تھا۔ باہر نکلے، باہر نکلے۔ چھت گر

" ہمیشہ ہی ہوتا ہے۔ " محمد ٹھنڈی سالش میں کہ بولا۔ میں اگر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی کوشش نہ کروں خاص کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں بالکل گدھا ہی ہوں۔

فریدی کے اخیار سکرہنا اور فرمائی جسخ مار کر اچھل پڑا۔ اُسے چھت گری؟

دوسرے ہی لمحے بعد وہ برآمدے سے سکن میں بھا اور ملن پھاڑ پھاڑ کر چخ رہا تھا۔ باہر نکلے، باہر نکلے۔ چھت گر

تھے۔ ان میں کام آنے والے بھی پہلنے ہی شہر کے باشندے ثابت ہوئے تھے۔

محمد عام حالات میں بالکل نارمل نظر آتا تھا۔ مالینویا کی دوسرے کبھی کسی وقت اچانک پڑتے تھے۔ اس سے پہلے یہ بات اُس کے وہم و مگان میں بھی نہ ہوتی کہ تصوری ہی دیوبعد دورہ پڑ جائے گا۔

اس وقت وہ باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا، لیکن آج کل وہ خود دُرائیوں نہیں کر رہا تھا۔ فریدی نے اُسے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ دراغونہ کیا کرے۔ دیسے بھی محمد اُس کو خیز یہیں ضرور موجود ہوتا تھا کہ اُس نے حماقت سر زد، ہورہا ہی ہے، لیکن دوسرے کی فکل میں جو اضطراری افعال اُس سے سرزد ہوتے تھے۔ اُن پر وہ قابو بھی نہیں پاسکتا تھا، بس ایک لہرسی اٹھتی تھی اور وہ اسی پریس پہنچا چلا جاتا تھا، میکھ بٹھانے اُسے ایسا محسوس ہوتا رہتا، جیسے چھت لیکنی طور پر گر کئی ہو، پھر وہ اس ذہنی کیفیت کے دوسرے گزر جاتا اور خیالات کی رو پھر شعور سے قریب ہو جاتی تو اُسے اپنی پکھ دیر پہلے والی حماقت پر بے تحاشا ہنسی آنے لگتی۔ بغرضیکا اس ذہنی کیفیت کو زیادہ سے زیادہ نہیں ضروری کیفیت کہا جا سکتا تھا۔ بے ہوشی ہرگز نہیں۔

دوسرے کے اختتام پر تصوری دیر بعد، اُس کے ذہن میں بے ناری سر ابھارتی اور زندگی کی ساری رنگینیاں اُس کی نظروں میں خاک و خون سے زیادہ وقعت نہ رکھیں۔ اُس نے خط کے پُرزوے پُرزوے کر کے گھری کے باہر

پس پڑا۔ " مجھے آپ کو ایک خط دینا ہے جناب! " بھنی نے مخدبانہ امناز میں کہا۔

" لاو! " محمد گھری کے باہر رہا تھا کہ اُس نے دُرائیوں سے کہا۔

لگافرے کر کے کھوے بغیر اُس نے دُرائیوں سے کہا۔ " چلو! " کاراگے بڑھ گئی۔ اب محمد نے لفاف کو اُمٹ پلٹ کر دیکھا، جس پر کوئی تحریر نہیں تھی، پھر اُس نے اُسے چال کر کے سقط نکالا۔ پہلی ہی نظر میں اُس نے تحریر پہنچانی۔ یہ فریدی کا سخط تھا۔ اُس نے تھا تھا۔

" چلو! " محمد اخذ شہر ہے کہ یہ جہر انگریز و بارہ

شہر کے جدید حصے میں بھی پھیل جائے گی۔ قم تو اس کے شکار ہو کر بے کار ہو، ہی چکے ہو۔ لہذا اب میں اپنے یہی بہت زیادہ محاذ اڑ رہنا چاہتا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں کچھ دنوں کے

پیشہ ہوں اور پھر دُوں۔ اس دوران میں تھیں چاہیے کہ ناگزیر کے متعلق چھلکا میں کرتے ہوں اس کے لیے تھیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

گھر بیٹھنے اسے طلب کر سکتے ہو۔ اُس سے اس قسم کے سوالات کرنے رہو جیسے تم اُس سے اس وبارہ کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو۔ اُسے صرف دھمکیاں دیتے رہو جرامست میں یعنی کی

ضرورت نہیں ہے۔

ایک ہفتے کے اندر ہی اندر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اساطیری عفریتوں نے کسی قدم شہر کو تاراج کر دیا ہو جو حکومت کی ذہنے دار شخصیتیں بھی شہر سے بہت گئی تھیں اور سارے دفاتر ہنادیے گئے تھے۔ اس حیرت انگریز و بارہ نے ساری

ذیگار کو جکڑا کر رکھ دیا۔ مختلف ممالک سے طبقہ مشن آنے لگے، لیکن خود ان مشنوں کے بیشتر افراد بھی اس وبا کا افکار ہو گئے۔ ابھی تک حالات پر قابو نہیں پایا جاسکتا تھا۔ بڑی بڑی طبقہ تجربہ کا ایں دن رات کھلی رہتیں۔ اس صرف کے متعلق چنان زین ہوتی، لیکن اسے ٹھیم کرنے کا کوئی مستقل ذریعہ مانع نہ آتا اور اس کے اسجاپ ہی سمجھ میں آتے۔

اچانک ایک دن شہر کی سڑکوں پر ایک جھوٹی سی کار دیکھی گئی جس پر لاڈا پیکر کے لارن فٹ تھے اور کوئی شخص متواترا اعلان کرتا پھر رہا تھا۔

”بھائیو! میں نے اس دبائی عجائب کا اعلان دریافت کر لیا ہے۔ آپ بھجنے آنے سے نہیں بہت عرصے سے جانتے ہیں۔ میں داکٹر گوہن ہوں۔ میر خود بھی اس وبا کا شکار ہوا تھا، لیکن اتفاقاً اس کا اعلان دریافت ہو گیا ہے۔ آپ بھی سنبھی اور اس سے فائدہ اٹھائیے۔ جب اس وبا کا زور نہ توئے تو اسی علاج کو بار بار دھر رہتے رہیے۔ علاج یہ ہے کہ تین اونص چائے کے پانی میں کم از کم دڑھا اونص نمک حل کر کے پی جائیے۔ دن پہنچ میں کم دوار کم ہو گیا۔“

کے پانی میں دڑھا اونص ملک...“

لوگ سراسیمہ تو تھے، ہی۔ انھوں نے یہ سخن بھی آزمایا اور پھر شام ہوتے ہوئے داکٹر گوہن زندہ باد کے نعرے ملی کوچول میں گوئی بخے لگے۔

دوسرے دن کے اخبارات صرف داکٹر گوہن کی تصاویر اور اس کے حالات سے بھرے پڑے تھے۔ وہ ایک مغربی نمک کا باشندہ تھا اور چند سال پہلے اس نے یہیں کی شہری انتیار کر لی تھی۔ ایک اچھے معانع کی جیفت سے وہ پہلے ہی سے کافی ثہرات رکھتا تھا۔

اخبارات میں وہ واقعہ بھی درج تھا، جس کی بتا پر اچانک وہ علاج دریافت ہو گیا تھا۔ ہوا یہ کہ داکٹر گوہن چائے پینے جا رہا تھا۔ اس نے ایک کپ تیار کیا اور خیالات میں ”دوبایا“ اس کا گھونٹ حلق سے آتار گیا۔ گھونٹ حلق سے لبس بولکا ہٹے میں ہی اُتر گیا تھا، ورنہ وہ گھونٹ وے ایسا تھا۔ بان ہی اسے برداشت نہ کر سکتی۔ داکٹر نے غلطی سے شکر کی بھائے نمک کے دوچھے چائے میں ڈال لیے تھے۔ اس کا مٹوڈا اس واقعے سے ہنا خراب ہو گیا کہ اس نے چم جائے نہیں پی۔ لیکن اس کے بعد کئی لمحے تک اس کے پیے ایک سستہ ذہنی

غلش بن کر رہ گیا تھا۔ آخر کار اس نے اس کی بھی نظری شروع کر لی تھی کرنے والوں کا اپنے ارجمند ریش تھا۔ ریش اسے ہر تین گھنٹے بعد اس کے متعلق اطلاعات دیتا تھا، مگر حمید کی دانست میں ابھی تک صرف ایک ہی کام کی بات معلوم ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ داکٹر گوہن کے ساتھ دو لڑکیاں بھی تھیں ان میں سے ایک روزا سیکرٹری تھی اور دوسرا موہن اس کے محمد نے ایک دن توکسی نکسی طرح صبر کیا اور اس کے بعد داکٹر گوہن پر چڑھ دوڑا یہ ماذل مافن کی ایک بڑی عمارت میں رہتا تھا۔ ماذل مافن غہر کی جدید ترین بستی تھی اور یہاں بہت زیادہ مال وار طبقے کے لوگ آباد تھے۔

عمارت جس میں داکٹر گوہن رہتا تھا، بڑی شاندار تھی۔ اس کے ایک حصے میں اس کی رہائش تھی اور دوسرے میں اپنٹال تھا۔ کچھ کل تو اس نے کپاونڈ میں ایک بڑا شامیانہ نگا رکھا تھا اور باہر ہی بیٹھ کر مرینیوں کو دیکھتا تھا۔ پھاٹک کے قریب نمکین چلتے کی دلگیں چڑھی رہتی تھیں۔

حمد سورن جنگروپ ہونے سے کچھ دیر پہلے وہاں پہنچا۔ داکٹر گوہن شامیانے کے نیچے ہی موجود تھا۔ یہ ایک دراز قد اور ضبط و جسم کا آدمی تھا۔ عمر چھاس اور سامنہ کے درمیان رہی ہو گی۔ کیونکہ اس کے بال بالکل سفید تھے، مگر جسم کی بناؤٹ اتنی شاندار تھی کہ خضاب استعمال کرنے پر تیس اور چالیس کے درمیان معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر تھنی داڑھی اور موچھیں تھیں۔ حمید اسے اس سے پہلے بھی اثر دیکھ چکا تھا مگر اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے شامیانے کے نیچے ہنگامہ برپا ہو۔ کئی لوگ چنچ چنچ کر گفتگو کر رہے تھے اور داکٹر گوہن بھی اچھے مودیں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمد کے قدم تیزی سے شامیانے کی طرف اٹھنے لگے۔ داکٹر گوہن کے سامنے تین غیر ملکی تھے۔ یہ بھی کسی مغربی نمک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک بہت زیادہ غفتے یہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ داکٹر گوہن کی طرف ہاتھ بلاہلا کر لپٹے دو نوں ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ ”میں دیکھوں گا کہ یہ چائے والا فرادر ڈکٹر ٹک چلتا ہے؟ میں کہتا ہوں...“

”میں کچھ نہیں مسننا چاہتا۔“ داکٹر گوہن حلق پھار کر دیا۔ ”تمھیں سُننا پڑے کا، تمھیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تمھاری نمکین چائے اتنی ہی زود اثر ہے۔“

پرماینڈوپیائی دورہ بھی نہیں پڑا۔ ویسے پہلے دو دو گھنٹے کے وقفے سے اس پہلے قسم کے دورے پڑتے رہے تھے، بھر جب پورا ایک دن گزر گیا اور اس پر دوسرے نہ پڑتے تو اس نے سوچنا شروع کیا کہ یہ کس دوا کا رذائل ہو سکتا ہے اس نے وہ سادی دوائیں مrifou پر آزمادا ہیں، لیکن اس سے مرض میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ آخر کار اسے وہ نمکین چائے یاد آئی اور اس نے اسے آزمانا شروع کیا۔ نتائج ہیئت ایگز تھے۔ مrifou رو بھت نظر آنے لگے۔ اُن پر دن بھر فورے نہیں پڑتے تھے۔

یہ کہانی تکھر کر اخبارات نے رائے ظاہر کی تھی۔ داکٹر گوہن ایک سچا دل پرست آدمی ہے۔ حالانکہ اس کی موجودہ وظیفت زیادہ پڑاتی نہیں ہے، لیکن بھر بھی دہاپنے دل کی گہرائیوں میں وطن کے یہی گھری محبت رکھتا ہے۔ اس کی جگہ اُنکو دوسرے مرضکوں پر اس نئے کی بدولت کر دیتی ہو جاتا۔ مگر وہ مرضکوں پر اس نئے کا اعلان کرتا پھر رہا ہے۔ کئی دن نک داکٹر گوہن کی کار مرضکوں پر دوڑتی رہی۔ لوگ اس کا لشکر استعمال کرتے رہتے۔ وہاں کا زدرکم ہو گیا۔ اب سرکاری طور پر بھی اس نئے کا اعلان کیا جانے لگا۔ کیپشن حمید بھی یہی سخنہ استعمال کر رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب اس پر دوسرے نہ پڑیں گے۔ اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے وہ ذہنی یا جسمی طور پر بھی سیاہی نہ رہتا، ہو۔

اس دو ران میں فریدی اکثر اس سے فون پر گفتگو کرتا رہتا تھا، لیکن اس نے یہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ حمید داکٹر گوہن کے متعلق بھی سورج رہا تھا۔ اس نے واقعی نمک و قوم بہ بڑا احسان کیا تھا، مگر اس طرح اچانک کوئی علاج دریافت ہو جانا بمحض نہیں آتا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر ہی اندر علاج بھی دریافت ہوا۔ اس پر تھربات بھی ہوئے اور اعلیٰ پیمانے پر مرضکوں کو شفا بھی ہونے لگی۔ مگر چونکہ فریدی کی طرف سے اس کے متعلق کوئی پدایت نہیں ملی تھی اس لیے وہ خاموش تھا۔ اگر تو شہر ایسا تھا۔ بان ہی اسے برداشت نہ کر سکتی۔ داکٹر نے غلطی سے شکر کی بھائے نمک کے دوچھے چائے میں ڈال لیے تھے۔ اس کا مٹوڈا اس واقعے سے ہنا خراب ہو گیا کہ اس نے چم جائے نہیں پی۔ لیکن اس کے بعد کئی لمحے تک اس کے پیے ایک سستہ ذہنی

”آئیں گھول کر دیکھو۔ یہ ثابت ہو چکا ہے۔“ گھومن غرزا۔ ”پوا شہر تمھیں بتائے گا۔“ ”یہ ہماری تقسیم کر دہ ملکیوں کا اثر ہے۔“ غیر ملکی ہے کہا۔ ”تمھاری ملکیاں میں خود بھی استعمال کر جکھا ہوں مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں خود بھی اس وبا کا شکار ہو چکا ہوں۔“ ”غقر سب تمھاری پول کھل جلتے گی۔“ غیر ملکی تے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”جاو... جاؤ... اگر تم میرے ملک میں مہماں نہ ہوئے تو بتاتا تمھیں۔“ داکٹر گوہن نے انتہائی غفتے کے غالب میں باختہ ہلاکر کہا۔

حمد کو اس قفسی سے ذرہ برا برا بھی دیکھیں تھیں تھی۔ وہ تو اس تھوڑے صورت لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جو داکٹر گوہن کے پیچے کھڑی تھی۔

حمد جگہ کاٹ کر اس کے قریب پہنچا۔ ”سُننے محترمہ!“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”لڑکی اس کی طرف مڑی اور پھر بے ساختہ چونکہ ٹری یکن فوراً ہی سنجل بھی گئی۔ بھی سی مسکراہٹ اس نے ہونٹوں پر نظر آئی تھی۔

”فرمائیے!“ ”ذری... ادھر... الگ آئیے!“ وہ اس کے ساتھ کھکھ دوڑتے آئی۔

”یہ کون بد تھیر ہے؟“ نمیدنے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”جو داکٹر جیسے فرشتہ خصلت آدمی سے الجھ رہا ہے۔ کیا میں لے کچھ چاہا جاؤں؟“

”نہیں، اہال کر کھائیے۔ کیا آپ اس کی کھووے جیسی کھال نہیں دیکھ رہے ہیں؟“ لڑکی مسٹرائی۔

”نہیں بتائیے تو آخر یہ کون ہے ہو دہ ہے؟“ ”کسی بیرونی میشن کا کوئی داکٹر ہو گا؟“ لڑکی نے بے پرواٹ سے کہا۔

”اور یہ نمکین چائے کو لغو قرار دے رہا ہے، چسے میں بھی استعمال کر کے فائدہ اٹھا جکھا ہوں۔“ ”اوہ... تو پھر آپ کہتے کیوں نہیں اس سے... کیا آپ کسی یہ ولی بیٹی میشن کی دوائیں بھی استعمال کر جکھیں؟“ ”ہرگز نہیں، ایک بھی نہیں، میں نے تو نمکین چائے کے علاوہ سرے سے اور کوئی دو استعمال نہیں کی۔“

لڑکی محمد کو جواب دیے بغیر تیزی سے آگئے بڑھ گئی۔
اُس نے داکٹر گوہن سے آہستہ آہستہ کچھ کہا اور داکٹر گوہن جلانی
ہوئی بلند آواز میں بولا: جھم میں جلتے، مجھے گواہ پیش کرنے کی
صروفت نہیں ہے مجھے کس کی پرواہ ہے؟

پھر اُس نے داکٹر سے غیر ملکی سے کہا: میرے پاس فحول
ہاں کے لیے وقت نہیں ہے، اگر میں فراڈ کر لتا ہوں تو یہ تو یہ سے
خلاف قانونی کارروائی کی جانبکی ہے۔

اب وہاں کے جواب کا استمار کیے بغیر عمارت کی
طرف مُرد گی۔ اُس کی رفتار بڑی تیزی تک مُرد میڈ کو اُس کی رفتار
سے زیادہ اُس کی پتوں کی داہنی جیب سے دلخیسی تھی جس
میں رفتار کی تیزی کی وجہ سے کوئی وزنی چیز زور زدہ نہیں ہے۔
راہی تھی اور یہ چیز ریو الور کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔
ایک داکٹر کی جیب میں ریوالر کا کام؟ میڈ کو چھے

پر محجور ہو گیا اور پھر وہ اپنے مکان کی مباونہ نہیں ہی تھا اُسی
کوئی داکٹر مرضیوں کو دیکھتے وقت یہی اپنی جیب میں ریوالر
رکھ سکتے ہے؟

وہ تینوں غیر ملکی چہرہ آؤ دنظروں سے عمارت کی طرف
دیکھتے رہے اور پھر بھالک کی طرف مُرد گئے جہاں ایک
بڑی سی سیاہ رنگ کی سیدان کھڑی تھی۔

جیسے نے سیدان کے ساتھ میڈ کی سیاہی کی پر نظر ڈالی اور سچے
راستے کے قریب والی جھاڑیوں میں گھس گیا۔

شاید اسی منٹ بعد بائیں جانب والا جھگل
موڑ سائیکل کی کرخت آواز سے گونجنے لگا۔ موڑ سائیکل اسی
کچھ راستے پر آرہی تھی۔ جھاڑیوں کے قریب آگہ اُس کی
رفتاد برائے نام رہ گئی جیسا کہ کچھ راستے کا سر اجور مُرد کی
طرف تھا، کافی اونچائی پر تھا۔

”رُک جاؤ دوست!“ دنقار فریدی نے جھاڑیوں سے
نکل کر کہا۔ اُس کے ماقریں ریوالر تھا، پھر بائیں ہاتھ
سے اُس نے اُس کا گریبان پکڑ لیا۔
موڑ سائیکل والا بوکھلا گیا کیونکہ یہ حادثہ اُس کے
قطعی غیر متوقع تھا۔

موڑ سائیکل رُک گئی۔ فریدی نے اُس کے گریبان
کو چلنکا دیا۔ موڑ سائیکل دوسرا طرف لڑکے کیونکہ
سوار تو اس جھٹکے کے ساتھ ہے۔ اس پر سے اکھڑا گیا تھا۔
”ڈاکٹر گوہن نعم ہو گیا ہو گا... ناگر!“ فریدی نے ریوالر

اس وقت بھی بالکل ہی کیفیت تھی۔ پرنسپ کے
جو ہاہ پر پرسرخ روشنی نے تریپک روک رکھا تھا، لیکن
اُس کی موڑ سائیکل بھل ہی گئی۔ اس پر تریپک سار جنٹ نے
بھلا کر سیٹی... بھائی فریدی نے بیان ہاتھ اٹھا کر اُسے
کسی قدر کا اشارہ کیا، لیکن سار جنٹ نے اپنی موڑ سائیکل اُس
کے تیچھے جھوٹپی ہی دی۔ شاید اُس نے اُسے اچھی طرح دیکھا ہیں
تھا۔ پھر حال تھوڑی ہی دیر بعد اُس نے فریدی کو جا لیا۔

”دنچ ہو چاہو!“ فریدی غڑایا۔ میں تریپک کے اصول
کا اس وقت پابند نہیں ہوتا، جبکہ کوئی اہم معاملہ دریش ہو۔“
”دنون موڑ سائیکلیں برابر سے دوڑ رہی تھیں۔“

”معاف کیجیے گا جناب! اکنہ صاحب! ایس نے پہچانا
نہیں تھا!“ سار جنٹ نے یہ کہہ کر رفتال کم کر دی۔ فریدی کی
موڑ سائیکل بدستور فرائے بھرتی رہی۔

پکھ دیر بعد آبادیاں پست یچھے رہ گئیں اور جنگلوں کا
سلسلہ شروع ہو گیا۔ مُرد کس نام پر ٹھیک اور آہستہ آہستہ
دھنڈ کا پھیل رہا تھا۔

فریدی نے موڑ سائیکل روک کر ایک گریٹ میں آٹا
اور اُس کچھ راستے کے سرے پر جھلا آیا، بعد بائیں جانب
وائے جھگل سے نکل کر ٹرک سے آٹا لٹھا۔

اُس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھری پر نظر ڈالی اور سچے
راستے کے قریب والی جھاڑیوں میں گھس گیا۔

شاید اسی منٹ بعد بائیں جانب والا جھگل
موڑ سائیکل کی کرخت آواز سے گونجنے لگا۔ موڑ سائیکل اسی
کچھ راستے پر آرہی تھی۔ جھاڑیوں کے قریب آگہ اُس کی
رفتاد برائے نام رہ گئی جیسا کہ کچھ راستے کا سر اجور مُرد کی
طرف تھا، کافی اونچائی پر تھا۔

”رُک جاؤ دوست!“ دنقار فریدی نے جھاڑیوں سے
نکل کر کہا۔ اُس کے ماقریں ریوالر تھا، پھر بائیں ہاتھ
سے اُس نے اُس کا گریبان پکڑ لیا۔
موڑ سائیکل والا بوکھلا گیا کیونکہ یہ حادثہ اُس کے
قطعی غیر متوقع تھا۔

موڑ سائیکل رُک گئی۔ فریدی نے اُس کے گریبان
کو چلنکا دیا۔ موڑ سائیکل دوسرا طرف لڑکے کیونکہ
سوار تو اس جھٹکے کے ساتھ ہے۔ اس پر سے اکھڑا گیا تھا۔

”ڈاکٹر گوہن نعم ہو گیا ہو گا... ناگر!“ فریدی نے ریوالر
وقت یہاں کیسے؟

کی نال سے اُسے رہیں سے اُس نے کاشاہ کرتے ہوئے کہا۔
ناگر اُسجا، پھر اُس نے اپنے دوفوں ہاتھ اٹھا کر دی۔
”میں اُس کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہو؟“ اُس نے بھر ان
ہوئی آواز میں کہا۔

”توقم اقبال جرم کرتے ہو؟“
”میں میں پھانسی کے تختے پر بھی اقبال جرم کروں گا۔“

بشرطیکہ اُس کے بعد بھی محب وطن کہا جائے“
”خوب اُنوم وطن کی خدمتِ انجام دے کر آئے ہو!“
”یقیناً... بُرل... وہ پورے نک کوتباہ کر کے رکھ دیتا!“

”وہ کیسے؟“
”اس طرح یہک بیک ناگر نے فریدی پر جھاٹ گے

لگائی، لیکن فریدی جو خود کو غافل ظاہر کر رہا تھا حقیقت نافل
نہیں تھا۔ ایک طرف ہٹ کر اُس نے جوناگر کی پسلی پر
ٹھوکر سید کی ہے تو ناگر کی متوالتر کی چینیں نکل گئیں۔

”اس طرح بھی ہو سکتے ہے ستر ناگر!“ فریدی کی طنزی
انداز میں منکرا۔ اُس کے انداز سے بالکل ایسا ہی معلوم ہو
رہا تھا جیسے وہ خطرنگ کی بساط پر کوئی اچھی سی چال چل
کر مٹھن ہو گیا ہو۔ اب اُس نے ریوالر جیب میں رکھ دیا اور
ناگر کو گریبان سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بُرل۔ اگر تمہاری وطن
پرستی کی مناسب واد نہ دُوں تو یہ بڑی بُری بات ہو گی۔

کیونکہ تمہارے بھنے خلنتے بھی بندھوچکے ہیں یا۔
ناگر نے بھی فریدی کے گریبان پر ناچڑ دالنا چاہا، لیکن
اس سے قبل ہی اُس کی ٹھوڑی پر ٹھوٹسا پڑا اور وہ ایک بار
پھر زمین پر نظر آیا۔

”اب یہ بتاؤ کہ ہلا کہاں ہے؟“ تھماڑہ علاوہ کون
اُسے غائب کر سکے گا؟“ فریدی نے تلخ بھیجیں پوچھا۔
اس بار ناگر زین ہی بڑ پڑا رہا، لیکن وہ ہوش میں

تعالہ ہو سکتا ہے کہ اُس طرح مزید مرمت سے پھنا چاہ رہا ہو
”میں اُس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ قطعی نہیں جانتا۔ میں
اس وقت تم پر حکمہ نہ کرتا، مگر تمہاری طرف سے میرے دل
میں پہت غبار ہے؟“

”نکال بھی دا لو!“ فریدی مُسکرا۔
”ابھی نہیں، آج کل میرے ستارے گردش میں ہیں!“

ناگر نے جواب دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بُرل۔ مگر کُرل تم اُس
وقت یہاں کیسے؟

”یکیے مکن تھا کہ تم بھی آنکھوں کے سامنے اُسے قتل کر
کے نکل آتے؟“

”میں بھاں نے تھوڑی تھکایا۔ میں تو اُسے قتل کر بھی چکا بھی
سب سے بڑی خواہش پوری ہو گئی!“

”تم جھک مارتے ہو۔ وہ زندہ ہے!“ فریدی نے کہا۔
”تمہارے بھانگتے کے بعد میں نے اُسے ٹھوڑی کی میں دیکھا تھا
اور پھر بھی یہ تو معلوم ہی تھا کہ تم اُس کے بعد کہاں جاؤ
گے۔ لہذا میں اطمینان سے روانہ ہوا تھا اور تم سے دل منٹ
پہلے یہاں پہنچ گیا۔“

”ہوں، توقم نے پوری طرح مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر
نظر رکھی ہے؟“ ناگر نے بھر انہیں ہوئی آواز میں کہا، پھر سبھل کر
بولا: ”لہذا تم یہ بھی جلتے ہوئے کہ میں کس کے لیے کس طرح
کام کرتا رہا ہوں؟“

”میں میں یہ بھی جانتا ہوں!“
”کس کے لیے؟“

”یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا!“ فریدی نے جواب دیا
”میں... اگر جو ہوں بھول رہے ہو تو میں نے اُسے
مار دالا ہے؟“

”ڈاکٹر گوہن؟“
”میں ڈاکٹر گوہن!“

”یقین نہیں آتا!“
”کیوں تم اُس لڑکی سے واقعہ نہیں ہو، تو مجھ سے اُس
کے لیے کام لیتی تھی؟“

”شاید میں اُسے نہیں جانتا!“ فریدی نے کچھ چھوٹے ہوئے کہا۔
”موناکر سی! بھوک آج کل اُس کی نرسی کی بیعت سے
کام کر رہی ہے؟“

”اوہ...“
”میں نہیں سمجھا!“
”میرا دعویٰ ہے کہ انھی کتوں سے پیدا ہوتے والے
جراثیم نے یہ دباد پھیلانی ہے؟“

”اور اب اُس نے ایک سہل سانحہ بھی دریافت کر لیا ہے۔“ فریدی سُکرایا۔

”کوئی چال ہے؟“ ناگر بولا۔ مگر کیا ممکن نہیں ہے کہ ملک گیر شہرت نے حصول کے لیے اُس نے ایسا کیا ہے۔ ظاہر ہے، کسی داکٹر کی شہرت اس کے لیے دولت ہی لاتی ہے میرے جوئے خانے دولت ہی کے لیے چلتے تھے۔ دولت ہی کے لیے دُنیا کا بڑے سے بڑا جرم کیا جاتا ہے اور محکمہ سرا غربی کے قیام کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ داکٹر گوہن اگر داکٹر نہ ہوتا تو میری طرح ایسا آدمی ہوتا، جسے سب لُٹیر اور بدعاش کہتے ہیں؟“

”لڑکی کی کہانی کیا تھی؟“

”کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟“

”بیٹھ جاؤ یا فریدی نے کہا تا اگر انھوں کو بیٹھ گی اور

مونا کر سُٹی کی داستان دُھراتے لگا۔

جب یہ کہانی ختم ہو گئی تو فریدی نے پوچھا۔ آخر تم نے اُس پر حملہ کیوں کیا۔ جب کہ اُس سے اچھی خاصی رقم مل جاتی تھی؟“

”وہ خود ہی مجھے ختم کر دینے کے چکر میں تھا۔ اس دوران میں مجھے مرتین بار حملہ کرنا چکا ہے۔ جب سے اُسے علم ہوا تھا کہ سرکاری سرا غربی رسان میرے بیچھے ہیں۔ وہ مجھے زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔“

”خیر...“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد ہما۔ فی الحال تھیں میرے ساتھ کتوالی چلنے ہے؟“

”میں تیار ہوں۔“

■

جمد کے بیچھے دونوں لڑکیاں بھی دوڑ رہی تھیں اور ان میں سے ایک اُسے بتاتی جا رہی تھی کہ اُسے کہھر پہنچا۔ دہ ایک ایسے کمرے میں آئے جس کی ایک جانب کھڑکیاں کپاڑنڈ کے بائیں بازو میں گھٹتی تھیں۔

یہاں جمد کو داکٹر گوہن نظر آیا، جو ایک میز پر دونوں ہاتھ پیکے دیران ویران آنکھوں سے ٹھہر کی کے باہر دیکھ رہا تھا۔

اُن کی آہٹ پر وہ جونک کر ان کی طرف مڑا، جیسے حقیقتاً پر نظر پڑتے ہی بُری طرح جھلا گیا۔ ”تم کون ہو؟... میرے اجازت کے بغیر یہاں کیوں گھس آئے؟ جاؤ، دفع ہو جاؤ!“

”میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم زندہ تو نہیں ہو۔“ جمد

نے بے پرواں سے کہا، لیکن قبل اس کے داکٹر کا ہاتھ اُس کی جیب تک پہنچتا۔ جمد نے اپناریو الور نکال لیا، لیکن چھریک بیک اُس کو عقل آگئی اور اُس نے جلدی سے کہا۔ یہ تو صرف اس یہے ہے داکٹر کہیں تم اپناریو الور نکال لو۔ تمہاری اس حرکت سے مجھے گھر احمد مہنچتا۔ بہذا میں نے سوچا کہ اُس ہی پہل کیوں نہ کروں؟“

”تم کون ہو؟“

”کیپٹن حمید فرام منڈل ایشلی جس بیورو۔“

”اوہ...“ داکٹر کامنہ حیرت سے ھل کیا اور حمید ریوالور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ ”میونپل حدو دین میں جہاں بھی مجھے فائز نگ کی آواز سنائی دے،“ میں صاحب خانہ کی اجازت حاصل کیے بغیر بھی مکان میں داخل ہو سکتا ہوں۔“

”پاٹکل، پاٹکل یا داکٹر سر بلاکر بوا!“ اوہ... کیپٹن میں اس وقت ختم ہی ہو گیا ہوتا... یہ دیکھیے!“

اُس نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا، جہاں گولیوں سے کئی جگہ کا پلاسٹر ادھر لگایا تھا۔ جمد نے دیوار کی طرف دیکھا۔

باہر شور ہو رہا تھا۔ دوسروں نے بھی فائزوں کی آوانیں سُنی تھیں اور شاید وہ بھی عمارت کے اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔

”انھیں روکو!“ داکٹر نے ایک لڑکی سے کہا۔ ”یہاں سب ٹھیک ہے!“

ٹوپی قامت لڑکی چلی گئی۔ حمید کی انکھیوں سے دوسروی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

”فائز کس نے کیے تھے؟“ جمد نے داکٹر سے پوچھا۔

”کاش میں اُس کی شکل دیکھ سکا ہوتا۔“

”اس سے پہلے بھی بھی آپ پر حملہ ہوا تھا؟“

”نہیں، بھی نہیں!“

”شامیانے کے نیچے کن لوگوں سے آپ کا جھگڑا ہو رہا تھا؟“

”اوہ... وہ کینہ تو ز داکٹر سانگلو انھیں مجھ پر جڑھا لایا تھا۔ خود قریب نہیں آیا، مگر میں جانتا ہوں۔ وہ میرا حیرت آپ کا فیض ملکوں کی طرف مڑا، جیسے حقیقتاً اُس سے بچھ رہا ہو۔“

”باقاعدہ رپورٹ درج کرائیے؟“ اُس نے جواب دیا۔

”آپ کس نیچے ہر بچھے ہیں؟“

”یقیناً کسی نے آپ پر گولی چلائی تھی!“ جمد سُکلایا۔ لیکن

آپ بھی کافی مشاق معلوم ہوتے ہیں۔ شاید اندر دوار پر جاری نشانات ہیں لیکن ایک بھی کوئی آپ کے نہیں تھی، مجھے

”مگر وہ لوگ تھے کون؟“

حیرت ہے۔“

”تو گیا آپ چاہتے ہیں کہ میں مرجاتا؟“ داکٹر گوہن جھلا کر بولا۔

”میں تو یقیناً مرجاتا اگر مجھ سے چار فائز ہوتے۔“

”آپ محکمہ مساعِ رسانی کے آفیسر ہیں یا کسی کا بخ کے پروفیسر؟“ تو ہن کے پیچے میں طنز تھا۔

”مجید آگے بڑھا اور کھڑکی پر دونوں ہاتھ میک کر اپر اٹھ گیا۔ دوسرا ہی لمحے میں وہ کمرے کے اندر رہا۔ داکٹر گوہن

یچھے ہٹ کر اُس سے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ ہر وقت جیب میں ریواں کیوں یہ پھر تھے؟“

”مجید تھے اس کے باوجود بھی لوگ ہر وقت جیب میں نہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔“

”میرے پاس لاشن ہے؟“

”لیکن اس کے باوجود بھی لوگ ہر وقت جیب میں نہیں ڈالے رہتے؟“

”میری عادت ہے۔“

”داکٹروں میں اگرایی عادتیں پائی جائیں تو ہم انھیں حیرت لگایں گے۔“

”تم اس طرح مسکراتے کیوں ہو؟ کیا میں گدھا ہوں؟“

”داکٹر دھڑا۔“

”گدھوں کو دیکھ کر میں ہمیشہ سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔ آپ غلط سمجھے؟“

”دونوں لڑکیاں مٹھے پھیر کر مسکراتیں، لیکن داکٹر نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد وہ اور زیادہ جھلاتیا ہو اور نظر آنے لگا۔

”آپ تشریف لے جائیے۔ میں رپورٹ درج نہیں کراؤں گا۔“ اُس نے کہا۔

”وہ تو درج بھی ہو چکی میری موجودگی کا بھی مطلب ہے۔“

اب آپ کو مجھے ملٹھن کرنا پڑ رہے گا کہ آپ رپورٹ کیوں نہیں دین کرنا چاہتے؟“

”دفعنا داکٹر کی آنکھوں میں ایک چمک سی ہر انی اور اس نے لڑکیاں کی طرف دیکھ کر کہا۔“ روزانہ انھیں ملٹھن کردا۔

”چلے گا رفاقتے ہمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ اُس کے ہنؤں پر بڑی دلائیز مسکلات ہٹتی پھر وہ خود ہی آئے بڑھی اور مجید کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف چلتے تھی۔

”مجید بوکھلا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اُس کی توقع نہیں تھی۔“

”دروازے کے باہر قدم رکھتے وقت وہ یہ بھول گیا کہ ابھی

کس متنے پر لفٹو ہو رہی تھی۔
لڑکی اسے کھینچتی ہوئی ایک مرے میں لائی اور مسکارے
بولی "ناچوگے؟"

حمد خاموش کھڑا بلکیں جھپکاتا رہے۔ لڑکی نے گراموفون
پر رقص کی موسیقی کاریکار دھڑکا دیا اور اس کا ناخن پکڑ کر
ٹانچنے لگی۔

"ارے... ارے...؟" حمید کو بھی بالآخر شرارت سُوجی۔
"کیوں... ناچو نا؟"
اسے بچاؤ یاد فتا حمید حق پھاڑ کر دلا اور لڑکی بوکھا
کر کیچھے ہٹ گئی، پھر بیک بیک سنجھل کر بولی۔

"برے درپنگ ہو رحال انکم تھاری جیب میں ریواںور
بھی موجود ہے؟"
حمد کی سمجھدیں ہیں آرٹھا کیر کیا چکر ہے، پچھے دیر
پہلے جس عمارت میں فائزروں کی آوازیں گوئی تھیں، وہاں
اب رہماج رہا ہے اور جس پر فائز ہوتے تھے خود اسی
نے لڑکی کو اس حرکت کے لیے اس کے ساتھ بھیجا تھا۔
وہ دوبارہ بڑھتی ہوئی لڑکی کو دھکیل کر مرے سے
باہر نکل آیا۔

"بُری بات ہے؟" اس نے داکٹر گوہن کی آواز سنی اور
کہنے والے داکٹر گوہن رہا تھا۔ لڑکیوں سے اس طرح نہیں
پیش آیا کرتے؟
"میں تو لاکیوں کو تکلیف کر کھانا ہوں" حمید نے غصیلے ہجے
میں کہا۔

"اسی لیے صورت پر اتنی خوبست برس رہی ہے؟"
گوہن بولا۔ بہضم نہیں ہوئی شایدی؟
"میں تھیں دیکھوں گا یا حمید اسے مکاڈ کھا کر بولا اور
اسی میں غافیت سمجھی کر جلا جلد عمارت سے باہر نکلنے کی
کوشش کرے کیونکہ گوہن کا روئینہ قابل فهم تھا۔
اس نے اپنی پشت پر اس دلفن کے قہقہے سنبھالنے۔ اس
کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔



اسی رات کو حمید نے فون پر فریدی کی کال رسیوو کی۔
وہ کہہ رہا تھا "حمد بابت تکمیل محتفوں سے بھی بہتر ہے کہ تم
اپنی تقریبات میں معروف رہو، مجھ کوئی اعتراض نہ ہوگا۔
تم سے کس گھر سے نے کہا تھا لہ داکٹر گوہن تک جا پنجو؟"

وقت ایک مریغ کے بازوں میں الجھش کا رہا تھا۔
سانگلوں اپنے سر کو خفیت سی جبکہ دی اور پھر
مریغ کے بازوں سے سوئی کال کر کے رُفتی کے ٹھوڑے سے
صاف کرتا ہوا بولا۔ میرا خیال ہے کہ کہیں آپ کو پھر اتنا
ہوں جتاب؟

"یہ میری خوش قسمتی ہے" حمید سُکلا رہا۔ ویسے کہا آپ
بچے تھوڑا سا دقت دھا پسند کریں گے؟

"ضرور... ضرور... لیکن دس منٹ کے لیے بچے
معاف کیجیے، مجھے تین الجھش اور دینے چاہیں؟"

حمد سر بالکر رہ گیا۔
ڈاکٹر سانگلو کا شمارہ شہر کے اچھے ڈاکٹروں میں ہوتا

تھا لوگ اس کی خوش اخلاقی اور خوش مزاگی کے بھی متلاح
تھے۔ اکثر کوئی نہ تناکیا تھا کہ آدمی اس کی دلچسپ
گفتگو ہی ختم کر دیتی ہے۔

اس نے دس منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیا۔
فرما یہ ایس آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"چند بہت ضروری ہائیں کرنی ہیں آپ سے" حمید
نے کہا۔

"ہیں... یا کہیں الگ چیزیں؟" ڈاکٹر سانگلو نے کہا۔
کہیں اطمینان سے کہا۔ یہاں اس پھر جاڑا
میں تو..."

"اوہ... تو آئیے میرے ساتھ"۔
وہ دلفنوں صداقت کے بیرونی برآمدے میں آئے
اور پھر ڈاکٹر سانگلو نے ایک الگ تھلکی کرے تک
حمد کی رہنمائی کی۔

"تشریف رکھیے جناب! اس نے جھک کر کہا۔

حمد ایک سوچی پر بیٹھ گیا۔
"اس دن..."، حمید کچھ دیر بعد بولا۔ یہیں نے آپ کو
ڈاکٹر گوہن کی کپاڈ نہیں دیکھا تھا۔

"کس دن؟"
جب وہ آپ کے عین ٹکی دلسنوں سے جھگڑا کر رہا
تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر برونوہی کے دند کے ساتھ
کام کر رہے ہیں؟

"جی ہاں؟"
میں دراصل اس آدمی ڈاکٹر گوہن کے متعلق اُبھی

اس غصے کے ساتھ ہی ساتھ سر پر وہ پرانی جھپکی نہیں ہوار ہوئی۔
جن نے اکثر اسے آن دیکھے جہاں کی سیر کراؤں تھی۔

تیسرا دن اچانک فریدی کی کال آئی۔
وہ مکمل رہا ہوا پھر بیک اُسے شرکت سُوجی، اور وہ
ماڈھپیں میں گھوڑے کی طرح ہنہیں۔

"اوہ جید کے پیچے... تم...؟"
"ڈاکٹر منٹ" یہ حمید نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ گھوڑوں
اور دلفنوں میں تیز مشکل ہو گئی ہے۔ اس لیے مجھے کم انکم ایک
ہفتے کی قید اور پرداشت کرنی پڑے گی"

"اوہ... تو کیا مجھ تک مدد کر دے رہے ہو؟"

"نهیں، اُڑن گھوٹے اُترتے تھے۔ آسمان سے میرے سیلے
نہ کہوں"۔

"میں ہلاکی تلاش میں ہوں؟"
"میں تھیں ایں تھارے پا تھیں توڑ کر بھٹاک دوں گا۔ ہلاکا
کیں دلفنوں کے پاس ہے، تم جھک نہ مارو؟"

حمد نے سلسلہ متقطع کر دیا۔ اسے اس پر غصہ نہیں آتا
تھا، بلکہ وہ بور ہو گیا تھا۔

"سانگلو... گدھے... سانگلو"

"سانگلو گدھے" یہ حمید نے حیرت سے دہرا دیدار سے
باپاں نے گدھوں کی اقسام کے متعلق آج ٹک جہان میں نہیں

کی میں نہیں جانتا کہ یہ سانگلو گدھے کس قسم کے ہوتے ہیں؟
فریدی نے دوسرا طرف سے سلسلہ متقطع کر دیا اور

حمد نے بھی رسیوو کر دیا، میں ڈال کر ایک طولِ الگ انٹی لی۔
إن دلفوں وہ ڈاکٹر گوہن اور اس کی دلفوں لاٹیوں ہی کے
متعلق سوچتا رہا تھا۔ ہلدا ڈاکٹر سانگلو سے اس کے متعلق کنگو
کرنے میں ذرا بھی لوریت محسوس نہ کرتا۔ ویسے ہی کیا کم تھا
کھڑھے سے باہر قدم نکالنے کی اجازت مل چکی تھی۔

وہ ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر ڈاکٹر سانگلو کی قیام گاہ
پر جا پہنچا۔ اس کی کپاڈ نہیں بھی دیسا ہی ایک پہنچ بڑا

شامیانہ نظر آیا، جیسا وہہ میں چار دن پہلے ڈاکٹر گوہن کی کپاڈ نہیں
میں دیکھ چکا تھا۔ یہ ایک غیر ملکی بھی بیشن کی ادویات کی

تقویم کا مرکز تھا۔

حمد نے کپاڈ نہیں اُن غیر ملکیوں کو بھی دیکھا، جن سے
ڈاکٹر گوہن کو جھکڑتے دیکھا تھا۔

وہ سیدھا ڈاکٹر سانگلو کی طرف بڑھ گیا، بھا اس

"ارے جناب! یہ رسیش بڑا وہیات آدمی ہے" حمید
چھک کر بولا۔

"کیوں؟"
"آخر مجھ سے ان دونوں لاٹیوں کا تذکرہ کرنے کی کیا

مزدورت تھی؟ ہوڈاکٹر گوہن کے بیہاں پائی جاتی ہیں؟
کیا بکواس ہے؟"

"یقین کیجیے، اس نے تصرف تذکرہ کیا تھا بلکہ میں کے
حُسن کی اتنی شدت سے تعریف کی تھی کہ اس شاید آپ بھی

بے قابو ہو جاتے اُرسرن لیتے... کہیے تو بیان کروں؟"

"میں کہتا ہوں بھاوس بند کردا اور اس... سُنوا تھم اس

وقت تک گھر سے باہر قدم نہ نکالو گے، جب تک کہ میں...
نہ کہوں"

"میں ہلاکی تلاش میں ہوں؟"

"حمدیہ! میں تھارے پا تھیں توڑ کر بھٹاک دوں گا... ہلاکا

کیں دلفنوں کے پاس ہے، تم جھک نہ مارو؟"

حمد نے سلسلہ متقطع کر دیا۔ اسے اس پر غصہ نہیں آتا
تھا، بلکہ وہ بور ہو گیا تھا۔

بہت عرصے سے فریدی نے شہر میں سادہ لہاڑ والوں
کا جاہ سا بچا رکھا تھا۔ کوئی ایسا ہوٹل کوئی ایسی تفریخ گاہ

نہیں تھی کہ جہاں دوچار ہر وقت دبوجو درہتے ہوں۔ اس نے
رات جب حمید نے عورت کے میک آپ میں ہنگامہ برپا

کیا تھا فریدی کی معلومات کا باعث ہی سادہ لہاڑ والے
بننے تھے پھر حمید کی دانست میں ڈاکٹر گوہن پر تو خصوصیت

سے اس کی نظر ہی ہو گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے اس

کی تاک میں رہا ہو۔ بہر حال حمید جو گوہن اور اس کی دلفنوں کو

ایک اچا سبق دینا چاہتا تھا فریدی کی اس سرزنش پر ٹھنڈا
پڑ گیا اور پھر ہلاکوئی جھمٹ میں جھونک کر اس نے سوچا کہ

اب کچھ دن بھی آج ارم کرے گا۔ یعنی گھر سے باہر ہی ہیں
نکلنے کا۔

کھانا ہضم کرنے کے لیے ابھی ہوڑیں بھی ضروری تھیں۔

اس کے لیے اس نے سوچا کہ بالصوری رسائل ہی سے کام
چلانے کا۔

یہیں دوسرے ہی دن اس کا دم ٹھنڈنے لگا، مگر فریدی

کی کوئی کال نہ آئی۔ یہ سلسلہ بڑا تکلیف دہ تھا ایسی بھی کیا
پابندی؟... اُسے خود پر خفہ آئے لگا مگر غیبت ہی تھا۔

اسی رات کو حمید نے فون پر فریدی کی کال رسیوو کی۔

وہ کہہ رہا تھا "حمد بابت تکمیل محتفوں سے بھی بہتر ہے کہ تم
اپنی تقریبات میں معروف رہو، مجھ کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

تم سے کس گھر سے نے کہا تھا لہ داکٹر گوہن تک جا پنجو؟"

میں ہوں؟

”کیوں؟ کیسی المجنون جناب؟“
”وہ پھر تباہیں گا۔ پہلے آپ یہ بتائیے کہ اس تیرت اگر“

”وابارے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“
”اوہ... میرے خدا... تو کیا... محمد نہ سرانع رسانی بھی اسی“

راہ پر درور ہاہے جس پر تم چل نکلے ہیں یا ڈاٹر سانگلو نے
تیخراں نہ پہنچ میں کہا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”پھر ہیں کیپن“ ڈاٹر سانگلو مصطفیٰ نما انداز میں ٹھوڑتا
ہوا بولا۔ ”پھر ہیں ہم جب تک اپنے تجربات مکمل نہ کر لیں۔“

اس سلسلے پر روشنی ڈالنے سے مددور ہیں۔“
”آخر حملہ نہ سرانع رسانی کس راہ پر درور ہاہے؟“ محمد
نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”پھر ہیں کیپن! ایں اپنی اس بے شکی بکواس پر شرمدہ
ہوں۔ بعض اوقات خیالات زبان کا ساختہ ہیں دیتے...“

آدمی کہنا پچھا جاتا ہے زبان سے نکلتا پچھے ہے۔“
ہاں ہو سکتا ہے۔ خیر... ہاں تو میں آپ سے ڈاکٹر گوہن
کے متعلق پچھے معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں؟“

”میں بھلا اس کے بارے میں کیا بتا سکوں گا۔ ملکنہیں،
جو آپ مجھے پوچھنا چاہتے ہیں ممکن ہے میرے علم میں ہو۔“

”یہاں شہر میں کب سے مقیم ہے؟“
”انداز اچار مال سے؟“

”کیا وہ بکیریا لو جس بھی ہے؟“
”اوہ... یقیناً... میرا اندازہ ہی ہے۔ وہ ایک خامی بڑی
تجربہ گاہ بھی رکھتا ہے۔“

”اس علاج کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، جو
آس نے دریافت کیا ہے؟“
”آہ... اس وں علاج اس کا طریق علاج ہی زیر بحث تھا۔“

میرا خیال ہے کہ میں نے وہاں آپ کو بھی دیکھا تھا۔ میں کیا
بتاؤں کیپن؟... آج نمکی پورت یہ ہے کہ اس مرض
کی وجہ بھی نمک دریافت نہیں ہو سکی۔ قاعدہ یہ ہے کہ پہلے
عموماً مرض کا سبب دریافت کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد، ہی

طریق علاج کا تعین ہو سکتا ہے۔“

”سامنے کی بات ہے“ ۔“حمد میرا کر بول۔“

”پھر آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ مرض کے اسباب“

سے واقع ہو چکا ہے یا پھر اسے تسلیم کیجیے کہ وہ مجھوں ہے وہ
اس میں سچائی نہیں ہے کہ وہ علاج اتفاقاً دریافت ہوا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں آپ سے متفق ہوں!“
اچھا ب اگر اس نے مرن کا سبب دریافت کر لیا ہے
تو اسے تسلیم کیوں نہیں کرتا؟ طریق علاج کی دریافت کو اتفاقات
پر کیوں نہیں رہتا ہے؟“

”بہت عمدہ نہیں ہے۔ یقیناً اس پر غور کرنا پڑے گا“ محمد
نے پائپ میں تباہ کو بھرتے ہوئے کہا۔“ مگر مجھے یاد پڑتا ہے کہ
اُس دن آپ کے غیر ملکی ساتھی اس طریق علاج کو مذکور ہو۔“

قرار دینے کی کوشش کر رہے تھے، جس پر وہ آپ سے باہر
ہو گیا تھا۔“

”جی ہاں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُس کا دریافت کردہ علاج
سوفی صد کامیاب رہتے ہیں؟“

”مگر آپ کے ساتھی توانی دوافل کا تذکرہ کر رہے تھے؟“
”کیپن! ادعا بھاوس کر رہے تھے، مگر ضرور تھا میں ڈاکٹر گوہن
سے حقیقت اُمکوانا جاتے ہیں۔ اُسے مرض کے اسباب معلوم
ہیں۔ اُسے تسلیم کرنا پڑے گا!“

”اوہ... تو شاید آپ وُگ اُسے خواہ موہا غصہ دلارہے
سچے تاکہ سچی بات اُس کی زبان سے نکل جائے؟“

”جی ہاں، ہماری بھی خواہش تھی!“

”مگر آپ آج تک کامیاب نہیں ہو سکے!“

”ابھی تک تو نہیں!“

”مگر ایک بات سمجھنی نہیں آتی ڈاکٹر صاحب!“ محمد
اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہو ابولاہ۔ آخر وہ اسے کیوں چھپانا
چاہتا ہے کہ اُس نے مرض کے اسباب معلوم کر لیے ہیں اور

آپ لوگ اس پر کیوں مصروف ہیں کہ وہ اس کا اعتراف کرے؟“
”خدا کی بناء“ ڈاٹر سانگلو مسکرا یاہ کیا آپ تھیہ کر کے
آنے ہیں...“

”وہ جملہ دھورا چھوڑ کر خاوش ہو گیا اور محمد کو تھیں آیز
نظریں سے دیکھتا رہا۔“

”اس سوال کا جواب بہت ضروری ہے ڈاکٹر!“ محمد
نے پائپ سلاک کر کہا۔

”آپ نے مجھے مکمل میں ڈال دیا ہے!“

”آخر بات کیا ہے؟“

”دیکھیے! ہم کوئی ایسی بات قبل از وقت نہیں کہنا چاہتے،“

جس پر بعد میں ہمیں شرمدہ ہونا پڑے لیعنی اوقات آدمی دھوکا
بھی کھا جاتا ہے۔ شلائم نے آپ کے متعلق ایک نظریہ قائم کر
لیا ہے کہ آپ فلاں شخص کے قاتل ہیں ہجومکہ یہ غیال ابھی
طرح ذہن میں جم گیا ہے۔ اس لیے آپ کا ہر فعل ہمارے
لئے اشتباہ انجزروگا اور ہمارا یہ نظریہ بخشنہ ہوتا جائے گا۔
آپ قاتل ہیں لیکن مزدوی نہیں ہے کہ حقیقت بھی بھی ہو۔“

”کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ذکر گوہن، ہی اس وبا کا
ذمہ دار ہے وہم نے مزدوت سے زیادہ سنجیدگی اختیار
کرتے ہوئے پوچھا۔ لبھ بھی بے حد خشک تھا۔“

”جی ہاں میرا ہی خیال ہے۔ لیکن خدا را باور کیجیے کہ یہ
ابھی شبھے کی جذبہ سے باہر نہیں ہوا۔ آپ نے چونکہ رُگ پکڑ
لی ہے اس لیے آپ کے سامنے یہ خیال افاظ کا جامہ ہے۔ ہم
سکا ہے، ورنہ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ ثبوت ہتھیار کے بغیر
کہی جائے؟“

محمد اس وقت اپنے خالص پیشہ و راندازی پر اتر آیا
تھا۔ اس نے ڈاٹر سانگلو پر کچھ اس طرح نظر ڈالی جیسے وہ
ابنا جرم ڈاکٹر گوہن کے سرخوپنے کی کوشش کر رہا ہو۔
”کیوں؟“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ اب سوال یہ پیدا
ہوتا ہے کہ آخر ڈاکٹر گوہن کو اتنا بڑا ہنگامہ کھڑا کرنے کی...
ضرورت ہی کیا تھی اور پھر اس کا ایک سہل سا
سخن کیوں تناک پھر رہا ہے؟“

”سہل کہاں کیپن!“ ڈاکٹر کے لمحے میں طنز تھا وہ سادہ
باہنی میں بھی نمک کا محلول بتا سکتا تھا۔ آخر جائے ہی کیوں؟“

”چائے نسخے کا ایک جزد ہے!“

”قطعی نہیں کیپن! ایسے صرف سادہ باہنی میں پہنچیرے یہ فنوں
کو نمک استعمال کرنا چکا تھا، مگر مزین تجھ وہی نکلا ہے،“ جو چلتے
کے محلوں سے نکلتا رہا ہے۔

”تب تو آپ کی معلومات اُس سے ہر حال زیادہ ہیں!“

”یقیناً... لیکن یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اُسے صرف
باہنی کے محلوں کا فلم نہ ہوگا!“

”اُس پر ڈاکٹر سانگلو نے قبیلہ لگایا۔ کچھ دیر ہستارہ۔“

یہ بات کیسے بنتی کہ علاج اتفاقی طور پر دریافت ہوا تھا۔
کوئی دھوکے سے بھائی سادہ یاہیں نہیں ہوتے۔
ان کے سے بھائی قاتل ہے۔ بلکہ ان کی نیکت سمجھی تبدیل کر
دیتا ہے۔ نیکت تبدیل ہونے سے قبل انھیں ٹوڑ رہیں
کے ساتھ یہ نقروہ ہل گیا تھا کہ شکر کی بجائے غلطی سے مٹت
کے ساتھ چل گئے تھے!“
”یہ بات بھی بچتی ہے ذکر!“ محمد.. اُسے تحسین آئیز
نظریوں سے دیکھتا ہوا بولा۔

”لیکن یہ سلسلہ ہے کہ اگر ہم طبیبوں کو کوئی خاص بات
اتفاقاً معلوم ہو جائے تو ہم ہزارویے سے اس کا تجربہ کرتے
ہیں۔ مثال کے طور پر چائے اور نمک ہی کوئے یہ سمجھیا
واقعہ مجھے پیش آیا ہوتا تو میں یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور
کرتا کہ چائے اور نمک دونوں میں سے کون زیادہ اہم ہے۔
چائے کی اہمیت یوں تھی کہ میری دن بھر میں سرہلا یا
چائے پی جاتے ہیں، لیکن اس سے ان کے مرض میں نہ کوئی ہوتی
ہے اور نہ زیادتی۔ لامالہ نمک ہی، اہم جزو و فوار یا۔ یہ تو
ہوئی ذہنی دلیل... اور علی دلیل یہ ہوتی ہے کہ نمک صرف
سادہ پانی میں حل کر کے مrifusوں کو پلا یا جاتا۔ میں نے یہی کیا
تھا۔ تیج وہی نکلا۔ بھی چائے قطعاً عین ضروری ثابت ہوئی۔“
”جید سخن تعریف کرنے کے ساتھ میں سرہلا یا
ڈاکٹر سانگلو پھر بولा۔“ کیپن! اہم سلطے پر بہت محنت
کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر گوہن کے اس نتھے ہی کی بد وقت ہم مرض
کے اسباب تک ہنچ گئے ہیں۔“

”وہ کس طرح؟“ محمد نے اشتیاق سے پوچھا۔

”دیکھیے! ادباً امر امن کے جریم مختلف ذرائع سے بھائی
سلسلہ پر اثر انداز ہوتے ہیں یا تو وہ فضائیں موجود ہوتے ہیں
اور بھائی کے ساتھ ہمارے جسم میں پیچتے ہیں یا اس پانی میں ان کا
 وجود ہوتا ہے، جسے ہم پیتے ہیں یا پھر کریزوں مکروفن کے ذریعے
وہ ہمارے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ ہم نے سارے ذرائع...“
چھان مارنے سے یہیں ہمیں ہمیں نئے قسم کے جریم ہیں بھی نہ ملے۔ ایک
دن میں تجربہ گاہ میں سلانڈ پر مشتبہ پانی کی چند بوندیں ڈال
کر خود دیں سے ان کا جائزہ ہے رہا تھا کہ کسی نے مذاق اس
پر ایک چیزیں نمک کی بھی پیش کیے تھے جسے ہر حال زیادہ ہیں۔
ڈاکٹر گوہن پر بھی پیش کیے تھے جسے ہمیں آیز نام تھا۔ میرا اندازہ
کے ساتھ اس کے ساتھ میں دیکھتا ہے۔“
”اوہ... یقیناً... میرا اندازہ ہی ہے۔ وہ ایک خامی بڑی
تجربہ گاہ بھی رکھتا ہے۔“

”اس علاج کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، جو
آس نے دریافت کیا ہے؟“

آئکتھے ہیں؟ داکٹر سانگلو نے بے پرواہی سے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“

”میرا یہ جگہ بجا تے خود مطلب ہے؟“ داکٹر سانگلو کا جواب تھا
حمدید کی نظر داکٹر گوہن کے ذلیل نام تھیہ رہی کہ کب وہ
جیب لی طرف جائے اور کب حمید اپنا رواں اور نکالے
سینکن داکٹر گوہن کا ہاتھ جیب کی طرف نہیں گیا ابتدی اس کی آنکھیں
ضرور چنکاریاں برسانے لگی تھیں۔

”ماں داکٹر سانگلو پھر بولا۔“ اس جملے کی تہ تک پہنچنے
کی کوشش کرو تم قوایک ہیت بمحض دار آدمی، بوجائے تھے
سامنہ نکل پلاتے ہو کیونکہ سارہ پان چائے سے زیادہ
مہنگا ملتا ہے... اور... اور کیا ہوں؟ تم تو سمجھتے ہی تو؟“
اوہ... تو یہ کہو؟ داکٹر گوہن حمید کی طرف فرخ بولا۔ مجھے
کسی چکر میں پھانسے کے لیے کوئی پلاٹ مزدہ کیا جا
رہا ہے؟“
وہ چندی خانوش رہا، پھر بے تحاشا قہقہہ مار کر نہیں
پڑا تھا۔

”اس نہیں کی وجہ؟“ حمید اسے گھوکر بولا۔

”کیا یہاں... میری تجربہ گاہ میں کسی قسم کی سازش
کا یاب ہو سکتی ہے۔ الجھی ٹک تو ایسا نہیں ہوا کہ مجھ
سے مکرانے والے باش پاش شہو گئے ہوں؟“
بُڑی بُھرتی سے حمید کا ہاتھ جب میں گیا، لیکن پھر
دفعاً اس کے پیروں تک سے زمین نکل گئی ریوال وہیب
میں نہیں تھا۔ پھر اس نے اپنی ساری جیہیں ٹھوک کر رکھ دیں۔
داکٹر گوہن کا قہقہہ پھر گونجا اور اس نے ٹھنڈی ہے
میں کہا۔“ یہ میری تجربہ گاہ ہے۔ یہاں روں اور کے پر ٹک
جاتے ہیں۔ یہ دیجھو تھا ریوال میری جیب میں اٹا آیا ہے؟“
داکٹر گوہن نے ماہتی دانت کے دستے والا ریوال
جب سے نکال کر حمید کو دکھایا اور بولا۔“ اس کے ساتے
چیم بر جھرے ہوئے ہیں اور تم صرف تین ہو تو کیسے سمجھے... چلو
کیپس اتم بھی ان دونوں کے قریب ہنچ جاؤ؟“

”کیا تم پاگل ہوئے ہو؟“ داکٹر بر وغیرہ۔
”ماں میں پاگل ہو گیا ہوں۔ کیونکہ تم لوگ بے حد
ذیل ہوتے جا رہے ہو، میں صرف تھاںی نہیں بلکہ تھاںے
ملک کی بات کر رہا ہوں؟“
”اور تم اب اس ملک کے باشنسے بن کر اے

ڈائی گوہن کے دوسرا ساتھی شامیاتے کے نیچے رفیوں
کو دیکھ رہے تھے۔ حمید داکٹر بر وغیرہ اور داکٹر سانگلو دنوں
لڑکیوں کے مانند لیسا رہی میں آئے۔

داکٹر بر وغیرہ ایک آئے کے قریب بیٹھ گیا اور داکٹر
سانگلو بالکل کسی بھوٹے سے بیچے کی طرح یہاں تھی کا جائزہ
یعنی کال۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے اس نے اپنی زندگی
میں پہلی بار کوئی ایسی تجربہ بگاہ دیکھی ہو، جس میں ان ویکھی جیزیں
موہود ہوں۔ حمید لڑکیوں سے غصہ اڑاتے لگا۔

روزاکہہ رہی تھی۔“ پتا نہیں کیوں آپ اس دن بھاگ
نکھلے تھے؟ میں بڑے اپنے موڈیں تھی اور میرا ارادہ تھا کہ
آپ کو شام کا نیچائی رہوں گی۔ داکٹر بر اخوشی میلان جو
ہے۔ فوجوں بوجوں نہیں بنتے کھلیتے دیکھ کر اس کا دل باغ باغ
ہو جاتا ہے۔“

”بس ہے، جو گاہ؟“ اچانک داکٹر گوہن کی غرائب
سنائی دی۔
حمدید بونک کر مڑا۔ داکٹر گوہن ایک دروازے کا پردہ
ہٹا کر اندر داخل ہو رہا تھا۔

”اوہ... داکٹر...“ بر وغیرہ احتبا ہوا بولا۔“ ہم بغیر اجازت
آپ کی یہاں تھی میں نہیں داخل ہوئے۔“

”لیکن تمہارے ساتھ ایک بولیں آفیسر کیوں آیا ہے؟“
”یہ مجھ سے پوچھو داکٹر راحمید نے ملکا کر کیا۔“ میں نے مُنا
ہے کہ تم فوجوں بوجوں کو ناچھتے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے
ہو۔ اگر اجازت دو تو میں ووگ میں تمہارے خوشیوں
کا انتقام کر دیں؟“

”میں کہتا ہوں تم نے کس کی اجازت سے میری تجربہ گاہ
میں قدم رکھا؟“ میں نے صرف داکٹروں کے داخلے کی اجازت
دی تھی۔“

”میں حسن کا داکٹر ہوں دیکھ کر اس تجربہ گاہ میں حسن
بھی موجود نہیں ہے۔ جب حسن نے زکام میں بستا ہو
جاتا ہے تو ووگ عموماً اسی خاکسار کو یاد کرتے ہیں کیونکہ
حسن کی چینیں اس تھہ میں صرف میں ہی برداشت کر سکتا ہوں۔“

”اے داکٹر!“ گوہن نے دفعاً داکٹر سانگلو کو لکارا۔
”تم میری امانتوں میں کیوں جھانکتے پھر بے ہو؟“
”مجھے ان جڑیم کی تلاش بے جو مردہ ہونے پر بی نظر
لڑکیوں کے شہزادے دیوار میں گھوٹ گھاٹ کرپی ہی گیا۔

کوئی آدمی تھا۔ اس دن میری یہاں تھی میں کہی مالک کے لوگ
جمع تھے۔“

حمدید تھوڑی دیر بعد، مل سے روانہ ہو گیا۔ اس کے
بعد کہاں جاتا؟ وہ داکٹر گوہن کے خلاف دل ہی دل میں
خوشنام ہوا۔ حمدید اپنے آگیا۔ تقریباً آدمی گھنے بعد پھر فریدی
کی کال آئی۔ اس نے بھی معلوم کرنے کے لیے اپنے برگ کیا
موجود ہوں۔ حمید لڑکیوں سے غصہ اڑاتے لگا۔
حمدید کو اپنی اور داکٹر سانگلو کی گفتگو کا ایک ایک لفظ
ڈھرنا پڑا۔

”یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔“ فریدی نے پوری رو واد
کرنے کر کے۔ مگر داکٹر سانگلو اپنے نام سے کاہیاں نہیں ہو
سکتا، کیونکہ داکٹر گوہن اس سے بڑی طرح خار چھاتا ہے۔ اس
کے پس اسے غیر ملکی وفد کے آدمی سے کام دینا پڑے گا۔ غیر ملکی،
ڈسٹرکٹ مجریت سے استدعائی کر دے اور اپنے چند ساتھیوں
سمیت داکٹر گوہن کی تجربہ گاہ میں کچھ تجربات کرنا چاہتا ہے۔
کیونکہ شہر میں صرف وہی ایک دھنگ کی تجربہ گاہ ہے۔“

●
ایک غیر ملکی وفد کے قائد داکٹر بر وغیرے دسرا کو
مجھریت کا اجازت نامہ حاصل کر ہی لیا اور داکٹر سانگلو
نے اس کی اطلاع حمید کو دیتے ہوئے استدعائی تھی کہ
آن کے ساتھ وہ چلے تو بہتر ہے۔

آج بھی جو گوہن کی تجربہ گاہ سے اتنی دلچسپی
نہیں تھی، جتنا اسے دونوں لڑکیوں سے تھی۔ اس نے سوچا۔
اسی ہملے سہی ایک بار اور اُن سے قریب ہونے کا موقع
مل جائے گا اور اُن پڑا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس ڈسٹرکٹ رفزا
سے اس دن کی حرکتوں کا بدلمب ہی سے ڈالے، جب داکٹر گوہن
نے خود بہر کسی کے چلے کا ڈھونگ رچایا تھا۔

شاید داکٹر گوہن کو راہ راست ڈسٹرکٹ مجریت
سے اس کی اطلاع ملی تھی کہ کچھ لوگ اس کی تجربہ گاہ استعمال
کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جب یہ لوگ ملے، بیچے تھے تو ان
دونوں لڑکیوں نے کچھ ایسے ہی انداز میں ان کا استقبال کیا
تھا، جیسے انھیں اُن کی آمد کی اطلاع پہلے ہی سے رہی ہو۔
لیکن داکٹر گوہن موجود نہیں تھا۔ حمید کو اس کی اس
بے پرواہی کے مظاہرے پر بڑا تاثر آیا، مگر وہ اس تاثر کو
لڑکیوں کے شہزادے دیوار میں گھوٹ گھاٹ کرپی ہی گیا۔

بے بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ یعنی آپ اپنی صرف مردہ حالت
میں دیکھ سکتے ہیں، الگ یہ زندہ ہوں تو دنیا کی طاقت و ترین
خورد میں سے بھی نہیں دیکھ سکتے۔ میرا دعویٰ ہے کہ آگاہ
دیکھنا چاہتے ہوں تو میرے ساتھ میری تجربہ گاہ ملک چلے۔

حالانکہ یہ تجربہ گاہ بڑی حقیر سی ہے۔ اتنی بڑی نہیں ہے جتنی
بڑی داکٹر گوہن رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے، شہر میں شاید ہی
کوئی بکری یا وجہ اتنی بڑی تجربہ گاہ رکھتا ہو۔“

حمدید اس کے ساتھ اس کی تجربہ گاہ میں آیا اور داکٹر
سانگلو نے اسے وہ سب کچھ دھا دیا۔ اس کے متعلق دعویٰ
کرتا رہا تھا۔

”واقعی داکٹر!“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔“ یہ سارے
معاملات چل کر دینے والے ہیں۔ داکٹر گوہن اتنا بدھونہیں
ہوں ہوتا کہ جانے ہی پر اڑا رہتا۔ آخر وہ کیا جیزیں بوسکتی
ہے؟ جس نے اسے ایک جھوٹا افسانہ تراشنے پر مجبور کیا؟“
داکٹر سانگلو کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں گھری ہوئیں میں
ڈوپی ہوئی تھیں۔

تجربہ گاہ میں ہنسنے سکتا“
”اس سے کیا ہوتا... داکٹر؟“ حمید نے پوچھا۔

”اوہ... کیپن! الگ بھرنے پوچھیے... یہ غدار... کیسے جو
وطن پرستی کا دعویٰ کرتا رہتا ہے، کتنا بخی ہے... یہ میں دنیا
کو دھا دوں گا!“

”بڑی معیبت تو یہ ہے کہ میں اس یہاں تھی کی تلاشی
کاوارنٹ بھی حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ آنھنل وہ شہر بھری
آنکھوں کا تالا بنا ہوا ہے۔ حکام اس کی بے حد عزت کرتے
ہیں، وزیر اعظم اور صدر ملکت نے اسے بڑے شاندار پیغامات
بھیجے ہیں، لیکن مجھے اس پر قبہ ہے۔ کرنل فریدی بھی اس کی
تالک میں ہیں۔ کاش میں کے خلاف کچھ ثابت ہو سکے۔
کوئی واضح ثبوت مل سکے۔ اچھا داکٹر میں کو شمش کروں گا
کہ آپ اس کی یہاں تھی تک ہنچ سکیں۔ حالانکہ وہ اس
دن کے جنگرے کا قصہ شاید ڈسٹرکٹ مجریت تک پہنچا
چکا ہو گا۔ دیکھیے اگر کوئی قانونی صورت نہ تکلی تو غیر قانونی
ہی ہے... مگر مل، وہ داکٹر کون تھا؟ جس نے سلائڈ پر نک
ڈالا تھا؟“

”یہی تو یاد نہیں پڑتا، مگر وہ کسی غیر ملکی طبقی وفادہ کا

یہ تو واقعہ ہی تھا کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے لہذا مجھے کوئی اعتراض نہ ہوا کیوں مونا؟ کیا تمھیں اس کے لیے ڈاکٹر برہارت نہیں ملی تھی؟

” یہ نہیں جانتا یہ کون ہے؟ تم فراڈ کر رہے ہو۔“ ڈاکٹر سانگلو دیکھا۔

حمدی خاموش ہمرا دریختا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ ڈاکٹر گوہن کی نظری ہر طرف ہوتی ہیں۔ اب اُس کی بھیں نہیں اڑتا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟ اصل مجرم بھی اُس کے ساتھ ہی تھے اور ایک بلیک میلر بھی۔ ظاہر ہے کہ وہ ان دونوں کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس ایک نکتے پر دونوں ہی تتفق ہو سکتے تھے کہ حمید کو مار دالا جائے۔

ڈاکٹر گوہن نے سانگلو کی بات کا جواب دیے بغیر کہا۔ ”ڈاکٹر برہارت میں سمجھ دار آدمی ہو۔ تمہارے مقابلے میں سانگلو جاہل ہے۔ اس لیے کم از کم تمھیں تو اس کا خیال رکھنا ہی چاہیے کہ بات زیادہ آگے تو نہیں بڑھ رہی ہے۔“ ”ڈاکٹر سانگلو... ختم کرو۔“ بروفونے کہا، پھر حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس کا کیا ہو گا؟“

” پانچ لاکھ... کم سے کم مطالب ہے۔ میرا!“ ڈاکٹر گوہن نے مسکرا کر کہا۔

” مجھ منظور ہے۔“ بروفونے کہا۔ ”یر قم تمھیں آج ہی مل سکتی ہے، مگر یہ جائز ہے؟“

” اسے تم دونوں قتل کر دو میری طرف سے اجازت ہے۔“ بروفونے لمحے خاموش رہا، پھر آہستہ آہستہ حمید کی طرف بڑھنے لگا۔ ڈاکٹر سانگلو اب بھی خاموش ہمراپلکیں بچکار رہا، لیکن پھر یہک بیک بول اٹھا۔ بھرہ و ڈاکٹر برہارت جلد بازی اچھی نہیں ہے۔“

” کیا بھرہ وہ؟“ بروفونے خدا۔ ”تم اتنے گدھے ہو کہ تمہاری ای وحی کی نوبت آئی۔ ہم مطہن تھے کہ تم ذہین آدمی ہو۔“ ”اس کی ذہانت میں کوئی غیر نہیں ہے۔“ ڈاکٹر برہارت...

گوہن نے کہا۔ ” اپسی ہی دیکھو کہ اُس نے لکھنے پاپڑ بیل ڈالے۔“ محض اس کی خاطر کہ گروہ کے دوسرا سے آدمیوں کی نظرؤں سے پوشیدہ رہے۔ مونا کرستی کو نہ چلتے کہاں کہاں نچاپھرا۔ پھر جعلی پاپورٹ پر بر مارے یہاں لایا۔ اُسے قابو میں

تھا۔ اس تم جو کہتے تھے، وہ کرتی رہتی تھی۔ اس نے تمھائے پیے تاگر و ملازم رکھا اور ناگرنے کچھ اور آدمی مہیا کیے۔ تم خود تو مرد کتے گھسیٹ نہیں سکتے تھے اس لیے تمھیں ایسے آدمیوں کی بھی ضرورت تھی اور میری طرف دیکھو۔ ڈاکٹر سانگلو اپیشن کی طرف دیکھنے سے کیا فائدہ؟“ ... اگر تم نے مجھ سے سووا کر لیا... تو یہ بے چارہ اسماں بھی نہ دیکھ سکے گا۔ اس کی قبر بھیں بننے لگی اور یہ نہیں ثابت کر سکے گا... کہ کیپٹن حمید نے کبھی یہاں قدم بھی رکھا تھا۔ ظاہر ہے دُسرے ک مجرم یہ بھی اتنا ہی جانتا ہے کہ صرف تم اور بروفونے یہیں آئے ہو۔“

” تمہارا باپ کرنل فریدی بھی جانتا ہے۔“ حمید غریباً۔ ” کرنل فریدی جسے لونڈے میری جیب میں پڑے رہتے ہیں؟“ گوہن نے بے پرواں تھے کہا۔ ” اس کا بھی انتظام کر چکا ہے۔“ ہم، ڈاکٹر سانگلو اب وہا پہلے بھی تو مونا کرستی کے ٹرانسیمیٹر سے سانگلو کی آواز اس وقت ریکارڈ کی تھی تھی، جب وہ اسے ایک پیغام دے رہا تھا، یہاں مونا؟ ابھی تک بروفونے صاحب جادو کی مکانیں کے کرہیں تشریف لائے تھے۔ اس نے سخما استعمال کیا اور شیک ہو گئی۔ اس کی کوئی پیکی بھی اسی مریض میں مبتلا نہیں۔ بھلا وہ اسے کیوں نہیں نسخہ بتا دیتی۔ پیکی نے یہ سخما مجھ تک پہنچایا۔ میرے تھیات نے یہ بتایا کہ نک کی زیادہ مقدار خواہ کسی ستمال میں استعمال کی جائے، خواہ اپنی اصلی فشل میں اثر بر حال ہو گا۔ اس لیے میں نے چائے والا اشنٹ تار کیا۔ مقصود یہ تھا کہ تم لوگ میری طرف متوجہ ہو کہ مجھ سے ملکر نے کی کوشش کرو اور میں محض بیک میں کروں۔ آخر میں نے کیا قصر کیا ہے۔ مجھے بھی میرا حصہ ملنا چاہیے، اگر نہ ملاؤ میں تمہاری آواز کار بیکار دا اور دوں ٹوبے، یہک ٹرانسیمیٹر پر بولتے وقت یہ سچ ج فرائیسیوں ہی کاسا ہجھ اخیار کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“

” تم کیا چاہتے ہو؟“ ڈاکٹر بروفونے بھرا۔ ” اس کی غریبی کہا۔“ مونا نے نفی میں سرہلا دیا۔ ڈاکٹر گوہن کہتا رہا۔ ” سانگلو تم منظر عام بد آئے بغیر ہی ایک بہت بڑی سازش کر رہے تھے اجنبی لوگوں سے تم کام لے رہے تھے اور وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کا سرگروہ کون ہے۔ اس کام کے لیے تم نے مونا کو بچان ساختا اور مونلے کر دہ تربیت دیا جائیں۔“



” آپ مرنسے سے پہلے منع میساں پارڈ کے بارے میں کہا کہا جاتے ہیں؟“

” روزا آگے بڑھی اور جلدی جلدی دروازے بند کر لے گی۔“ پھر جب ڈاکٹر گوہن کے پاس واپس آگئی تو وہ بولا۔ ” ہم، ڈاکٹر برہارت... اور ڈاکٹر سانگلو اب معاملے کی مات کر دیں گے۔“ کیا مطلب ہے؟“ ” دوں بیک وقت بولے۔“

” مجھ سب کچھ معلوم ہے اور تم لوگوں کے خلاف شہوت بھی رکھتا ہوں۔“ ڈاکٹر گوہن نے کہا۔ ” مونا کرستی کے ٹرانسیمیٹر سے سانگلو کی آواز اس وقت ریکارڈ کی تھی تھی، جب وہ اسے ایک پیغام دے رہا تھا، یہاں مونا؟ اس وقت تمہارے پاس مونا کرستی دوست پیکی بھی موجود تھی، جب تمہارے نامعلوم باس نے تمھیں ہدایت دی تھی کہ اس رات کو بھی میں کہتے والر سپلائی مینک میں پہنچ کے جائیں گے۔“

” میں پاگل ہو جاؤں گی۔“ مونا اپنی پیشانی رکھنے لگی۔

” نہیں پاگل ہونے کی ضرورت نہیں۔“ ہم، اس وقت نے چائے والا اشنٹ تار کیا۔ مقصود یہ تھا کہ تم لوگ میری طرف متوجہ ہو کہ مجھ سے ملکر نے کی کوشش کرو اور میں محض بیک میں کروں۔ آخر میں نے کیا قصر کیا ہے۔ مجھے بھی میرا حصہ ملنا چاہیے، اگر نہ ملاؤ میں تمہاری آواز کار بیکار دا اور دوں ٹوبے، یہک ٹرانسیمیٹر پر بولتے وقت یہ سچ ج فرائیسیوں ہی کاسا ہجھ اخیار کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“

” مونا نے نفی میں سرہلا دیا۔ ڈاکٹر گوہن کہتا رہا۔ ” سانگلو

” تلاشی!“ ڈاکٹر گوہن نے کہا۔ ” ٹرانسیمیٹر کیا تھی میرے ہاتھ میں ریوالرنیس دیکھ رہے ہو؟“ ایسے میں تلاشی یعنی کی تھت کون کر سکتا ہے؟... روزا لیبارٹری کے سارے دروازے مقفل کر دو!“

تباه کر رہے ہو!“ ڈاکٹر سانگلو غصیلے لیے میں بولا۔ ” میں دوغلے دیسی کتوں سے بات نہیں کرنا چاہتا!“ ڈاکٹر گوہن بڑا سامنہ بنایا کہ بولا۔ ” خاموش رہو!“ حمید گر جا۔

” حق پھاڑتے رہو، پاگلوں کی طرح!“ ڈاکٹر گوہن نے بے پرواں سے کہا۔ پھر مونا کرستی کی طرف فرڑکر بولا۔“ وہ جو دیسی ڈاکٹر ادھر کھڑا ہے... جا کر اُس کے گالوں پر طمانے لگاؤ!“

” کیا مطلب ہے؟“ یک بیک ڈاکٹر سانگلو چونک پڑا۔ ” مطلب یہ کہ تم اس لڑکی کو برمائے در غلازر انگلینڈ لے گئے۔ تھا اور انگلینڈ سے پھر برما و اپس ایسے تھے۔ اس کے بعد، پھر یہاں لائے اور وکیل کی بجائے اُس کے باس بن یئے!“

” حمید نے دیکھا کہ مونا کا چہرہ سفید پر گیا ہے اور وہ انکھیں پھاڑ پھاڑ کر فاکٹر گوہن کو ٹھوڑا بھی نہیں۔“

” کیپٹن! یہ سنا نہیں کیا بخواہیں کیا بخواہیں کر رہے ہے؟“ ڈاکٹر سانگلو نے حمید کو پکارا۔ آپ کی موجودگی میں یہ سہیں مار دالنے کی دھمکیاں دے رہے تھے اور آپ کھڑے منظر دیکھ رہے ہیں!“

” ڈاکٹر گوہن میں تعین حکم دیتا ہوں کہ ریوالرنیس پر دال دو!“ حمید نے گرن ج کہا۔

” میں تمہارا پابند نہیں ہوں۔“ ڈاکٹر گوہن نے بے پرواں سے کہا اور مونا کرستی سے بولا۔ ” کیا تم نے سنا نہیں ہے؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ ڈاکٹر سانگلو کے منظر پر تھریک ہگا۔“ کیونکہ اس نے تمھیں بڑی اذیتیں دی ہیں اور یہ ابھی ابھی اپنے ساتھ دوایسے خطرناک ٹیوب لایا ہے، جو مجھے پھاتی دلو لکھتے ہیں!“

” کیا بک رہے ہو تم؟“ ڈاکٹر برہارت دھارا۔ ” شیئے کے دو ٹیوب جن میں اختلاجی وہار کے جاثیم ہیں اور یہ ابھی میری لیبارٹری کے ایک حصے میں چھپائے گئے ہیں۔ ڈاکٹر سانگلو نے ہاتھ کی صفائی دھکائی ہے؟“

” کیپٹن! یہ بھوٹا ہے۔ اسے ڈرہے کہ کہیں تم لیبارٹری کی تلاشی نے ہے؟“ ڈاکٹر سانگلو پر سکون نہیں میں بولا۔

” تلاشی!“ ڈاکٹر گوہن نے کہا۔ ” ٹرانسیمیٹر کیا تھی میرے ہاتھ میں ریوالرنیس دیکھ رہے ہو؟“ ایسے میں تلاشی یعنی کی تھت کون کر سکتا ہے؟... روزا لیبارٹری کے سارے دروازے مقفل کر دو!“

رکھنے کے لیے ہی دھمکی کیا کم تھی کہ وہ یہاں جعلی پاسپورٹ پر آئی۔ ظاہر ہے کہ وہ بے چاری اپنے خلاف قانونی کارروائی سے بھی درست تھی۔

”ارے چھوڑو یا برداشت نامخواہ ہا اکر بولا۔“ اس سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ جاسوس کا انتظام کرو۔“

”تمھی لوگ مارواۓ۔ میں تو بدھست ہو گیا ہوں۔ کسی پر ماٹھیں اٹھا سکتا۔“

دفتار برداشت نے حیدر چھلانگ لگائی اور حیدر چھکانی دے کر ایک طرف ہٹ گی، پھر وہ گوہن کے روپ اور کی رُد سے پھنا ہی جاہتا تھا کہ گوہن نے اُردو میں کہا۔“ ملی یعنی حیدر اپنے جھوٹ کام تو میرا کام تو ختم ہو گیا۔“

حیدر کی کھوپری ہو ایں اُرُجی۔ کونکہ یہ اُواز تو سو فن صدری کی تھی۔

بس پھر کیا تھا، اس نے اُجھل کر ایک بھرپور لات داکٹر برداشت کے پیسے پر رسید کی اور وہ کردا کر دہمی طرف اُٹ گیا اور اس نے اُس نے داکٹر گوہن سے کہا۔“ تم کھڑے دیکھ رہے ہو داکٹر! ایرہم دو فون کا یکسان دشمن ثابت ہو گا۔“

اس بار حیدر کا سماں اس کے جھٹرے پر ڈالا اور برداشت نے داکٹر گوہن کو ایک گندی سی گالی دی جو بولوں سے ہوئے۔ گوہن کے باوجود بھی حیدر پر فائز ہیں کر رہا تھا، پھر اس نے داکٹر سانگلو کو غیرت دلائی، لیکن داکٹر سانگلو جو بہت زیادہ پر سکون نظر آ رہا تھا بولا۔“ تم ہی پتھر رہو بھے رہائی بھراںی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ تھماری حماقت تھی کہ تم کرنل فریدی کے جانے میں آئے۔“

”کہاں ہے کرنل فریدی؟“ برداشت نے پھر لاق پھاڑ کر چینا۔“ جس سے تم اتنی دیرے سے بجواس کرتے رہے ہو، حالانکہ میں تھیں منع کر رہا تھا!“ داکٹر سانگلو نے پر سکون بھی میں کہا۔

حیدر کے پانچوں گھونے پر داکٹر برداشت نے پھر بھری اُنگلیوں سے حداخت زدہ تھی۔ روزا البتہ بُری طرح ہنس رہی تھی۔

دفعتاً حمد نے داکٹر سانگلو کے ہونٹوں پر مسلکا سٹ دیکھ اور جلا کر اس کی طرف بڑھا۔

”نهیں کہیں اشریفت آدمی مار دھاڑ سے دُور سی رہتے ہیں!“ داکٹر سانگلو نامخواہ اٹھا کر بولا۔



یہاں پڑوں کی بجائے جیڑوں کی بجائے:

دفعتاً فریدی نے آگے بڑھ کر اس کے مُٹھ پر اٹھا نامخ رسید کر دیا۔ وہ لاکھڑا کر ایک بڑی میز سے جاتھا اور اسی ایشیا کی لاش پر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ شیشے کے مختلف آلات خانہ اکر فریدی پر پھینک رہا تھا۔ حیدر ایک ہی بیلٹ میں اُس تک پہنچا اور پیٹ پڑا۔

ٹھیک اسی وقت ایک دروازے پر دستک ہوئی اور روزانے آگے بڑھ کر قفل ٹھوں دیا۔ پہت سے مسلح نیپل اندر گھس آئے۔ سب سے آگے دُسٹرکٹ مجھڑیت تھا۔ شکری کرنل!“ اس نے کہا۔ آپ نے واقعی بڑی جالائی تھی، لیکن ظاہر ہے کہ وہ اتنے اعلیٰ پیمانے پر ادویات نہیں تھیں کوئی سیکتا تھا کہ سارا شہر یا وقت مستفید ہو سکتا۔ اس لیے اُس ملک کا بھی وغد جلد ہی شہرست محاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس دوران میں اچانک ڈاکٹر گوہن نے نک اور چلتے والے نسخے کا اعلان کر کے اُن کی ساری اسکیوں پر پافی پیدا کیا۔ وہ جعلی گئی ہے؟ سانگلو علق پھاڑ کر چینا۔

”فریدی کی گرون دار آزادی پارٹی میں گوئی۔“ داکٹر گوہن میں ایک بہت زیادہ قوت والا ڈنافون تھا۔ غلط سے پہلے ہی رکھ دیا گیا تھا۔ شروع سے اب تک شاری گفتگو برابر والے کمرے میں رکھا ڈھونی ہی تھی۔“ داکٹر سانگلو پاگلوں کے سے انداز میں گالیاں لکھنے لگا۔

”برداشت نوایہی تک فرش پہنے ہوں۔“ سانگلو چلتے کر انھیں گھوڑے نکال کر اس کی طرف جو تھا۔ یہیں فریدی نے اُسے روکتے ہوئے مسلکا کر کہا۔“ کیوں کیا باقی رہا ہے؟“

”میرے خلاف کچھ بھی نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ تم نے جو آواز ٹیپ کی ہے۔ وہ تھماری ہی ہو گی کیونکہ...“ آوازوں کے ایک کامیاب نقال ہو، بس طرح گوہن کا

ہر وہ بنا سکتے ہو۔ اسی طرح... اور پھر بھلائیں بے چارہ

کس شمار میں، ہوں ڈالہے وہ یوب، جن کا بھی تذکرہ ہوا تھا۔ چونکہ نئی وضع کے میں اس نے انھیں اٹھا کر دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ اسی صورت میں ان پر میری اُنگلیوں کے لشناخت ضرور ملیں گے۔ نہیں، تم میرا کچھ ہیں بگار سکتے کرنل... اور پھر میں یہ سب کچھ کرنے ہی کیوں نکا۔ آخر یہ تھے

”مگر ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ایک بلیک میلے سے بہت سی باتیں کی تھیں۔“ فریدی نے مسلکا کر کہا۔“

”یقیناً کی تھیں۔ ابھی گھسنوں کر سکتا ہوں، لیکن عدالت میں تھماری ہوا پکڑ جائے گی۔“

یہ لکھنے نہ ہر آؤ دیں! اس کا اتنا تھا مشکل ہے۔ یہ لیسہ ہی ایک ملک کی کہلائی ہے جو اپنے حریف سے پہنچ کے لیے ایشیا کی لاش پر کھڑے ہوئے تھے کہ اس کے مُٹھ پر اس کا سمجھا گیا کہ یہاں ایک ناقابل فہم قسم کی وبا درپیلا کر اس کا غلط کیا جائے۔ وہ بھی اور غیر لمحی طبقی بخش آئے تھے۔ اُس ملک کا وقد بھی آیا، جس کے ایجنٹوں نے یہ وبا پھیلائی تھی، لیکن ظاہر ہے کہ وہ اتنے اعلیٰ پیمانے پر ادویات نہیں تھیں کوئی سیکتا تھا کہ سارا شہر یا وقت مستفید ہو سکتا۔ اس لیے اُس ملک کا بھی وغد جلد ہی شہرست محاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس دوران میں اچانک ڈاکٹر گوہن نے نک اور چلتے والے نسخے کا اعلان کر کے اُن کی ساری اسکیوں پر پافی پیدا کیا۔ وہ جعلی گئی ہے؟ سانگلو علق پھاڑ کر چینا۔

خیالات پائے جاتے تھے۔ کیا وہ برقرار رہتے... اسے بڑی طاقتیں اسی طرح تو ایشیا پر سکھ جمارہی ہیں کہم غلہ تقیم ہو رہا ہے، کہیں کپڑے بانٹے جا رہے ہیں اور کہیں کسی وبا کا خاتمہ کرنے کے لیے مفت دوائیں۔ مقدار میں تقسیم کی جا رہی ہیں جہاں ان چینیوں کی فروخت نہیں ہوتی وہاں بھی ضرورت پیدا کر لی جاتی ہے۔ طریقہ یہی ہوتا ہے جو ہمارے پہاں اختیار کیا گیا تھا۔ مصنوعی قحط پیدا کیے جاتے ہیں مصنوعی و بائیں پوری پوری بستیوں پر دھاواں بول دیتی ہیں اور پھر یہ فرشتے آگر ہمارے آنے بھی بوچھتے ہیں اور ہماری دُعائیں بھی لیے جاتے ہیں کتنا کیسہ ہے آدمی؟... ذرا سوچ تو کیا وہ کتوں کے سامنے بھی بازدھے جانے کے لائق ہے؟“

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔ اس وہاں کے متعلق ڈنیا کا جو کچھ بھی خیال رہا ہوا۔ قاسم بہت دور کی کوڑی لایا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ طسمی لڑکی نے شہر پر ڈنڈے پرسنٹے۔ پہلے۔ دماغ ٹھنڈا ہوا اور پھر گرم ہو گیا۔ بس دورے پر۔ قاسم پر تو پتھے کے دوسرا ہی دن دورہ پڑا تھا۔ جب اس کے باپ پر بھی دورہ پڑا تو اس بسوار کر کہا۔“ ٹانے... کم بخت نے بایا جان کو بھی نہ؟“ اُن کے بڑھاپے پر بھی رحم نہ کیا؟ پھر خود ہی لچک کر ارے واہ... یہ بڑھاپے میں کیا سوچی تھی... اظہار محظی کر بیھی... ہی، ہی، ہی، ہی!“

وہ منہ بنا کر دیر تک ہنستارہ تھا۔ کسی طرح اُن کے باپ کے کان میں بھی اس کی بھنک پڑ گئی اور پھر جو اختلانج کے عالم میں قاسم کی پٹائی شروع ہوئی تو سارے کوٹھی بیل کر رہ گئی اور قاسم ہفتتوں بستری سے ہلنے کو تر رہا، یعنی لڑکی کا لازم اُسے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔

یعنی مونا نے اُسے یہ نہیں بتایا کیونکہ وہ پیکسی جیسی پیاری لڑکی کا دل نہیں توڑ سکتی تھی۔ وہ اس سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اُس سے نہ ملا کرے۔ اس دوران میں وبا اچھی طرح پھیل گئی اور پیکسی یا ملہدا بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکی، مگر مونا نے اُسے نمک کے پانی والا سخنہ بتادیا، پھر وہ سخنہ میرے توسط سے ڈاکٹر گوہن تک پہنچ گیا اور ہم دونوں نے گھنٹوں غور و خوض کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ سادہ پانی کی بجائے چائے کا اعلان کیا جائے اور وہ اتفاقات بھی عوام کی نظر میں لائے جائیں جن کے تحت وہ سخنہ اچانک دریافت ہو گیا تھا۔ عذر فرینک پھر سانگلوں نے مونا کو بھی ڈاکٹر گوہن کے پیچے لگا دیا۔ ادھر ناگزیر نے جو اُسے ڈاکٹر گوہن کے ساتھ دیکھا تو یہی سمجھا کہ ڈاکٹر گوہن ہی اُن کا پُرہاسنار باس ہے کیونکہ اس دوران میں ناگزیر پھر جملے بھی ہو چکے تھے۔ اُس نے جھلاؤہٹ میں ڈاکٹر گوہن پر کئی فائز جھونک مارے۔ پُرہا پھر تیلا ہے اس لیے پنج گیا۔ جب مونا ادھر آگئی تو ہلہا کو دوسرا میک آپ میں پیش کیا گیا۔ یہ ڈاکٹر گوہن کی سیکرٹری روزانہ تھی۔ میں نے تمہیں سانگلوں کے پاس اسی لیے بھیجا تھا کہ اس کے آئندہ کے ارادوں کا اندازہ کر سکوں۔ تم نے جو کچھ مجھے بتایا۔ اس سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی چیز ڈاکٹر گوہن کی یمارٹری تک پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ گرفت میں لینے کا بہترین موقع تھا۔ اسی دن ڈاکٹر گوہن کے میک آپ میں میں آگیا۔ نیتے کے طور پر تم نے ان لوگوں کی شکست دیکھ لی!“

”مگر اُن کا ہوا کیا؟“

”بند کمرے میں ان کا مقدمہ چل رہا ہے۔ مونا سرکاری گواہ بنائی گئی ہے۔ جو نکہ اس معاملے میں کچھ بین الاقوامی قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اس لیے منظر عام پر نہیں لایا جا سکتا۔ البته اس ملکی غدار سانگلو پر کچھ دوسرا سنگین الزامات عائد کر کے کھلی عدالت میں مقدمہ چلا یا جلتے گا۔ اُسے سزا تو پھر حال ملنی چاہیے!“

”مگر اتنی ذرا سی بات کے لیے اتنا ہنگامہ؟“

”اوہ... یہ ذرا سی بات نہیں تھی جمیں صاحب اتم خود سوچو کہ اگر درمیان میں ڈاکٹر گوہن والا سخنہ نہ نکل پڑتا تو برلو فہری کا وفد کامیاب ہوتا اپنی کوششوں میں اور ہمارے عوام میں جو اُس کے ملک کے خلاف بُرے



FOREST
PARK
1875